فہرست مضامین

ماہنامہ —— الحق —— اکوڑہ خٹک

پائیسویں (۲۲) جلد اکتوبر ۱۹۸۶ء تا ستمبر ۱۹۸۷ء محرم الحرام ۱۴۰۷ھ تا ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ

مضامین کی یہ فہرست موضوعات کے لحاظ سے ان کے سلسلہ وار صفحات کے حوالے سے دی گئی ہے۔ جو ہر صفحے کے نیچے لکھے ہوئے ہیں۔ یہ فہرست جلد کے آغاز میں لگوائی جائے۔ سمیع الحق

نقش آغاز (اداریہ) — سمیع الحق

تحریک نفاذ شریعت اور اہل اسلام کی ذمہ داریاں ۲
نفاذ شریعت، "فیصلہ اعوذ برب الحق" ۱۳۳
الجہاد الجہاد، انقلابی پالیسیوں کی ضرورت ۲۵۰
شریعت بل کا مقصد ۳۶۶
ظالمانہ بجٹ اور نفاذ شریعت سے گریز ۴۱۵
نفاذ شریعت، سانحہ مکۃ المکرمہ، امریکی امداد اور تخریب کاری ۵۴۳
میر الحق کی نئی ذمہ داریاں ۶۶
افغان گورنمنٹ کا اعلان جنگ بندی ۱۹۸
سینٹ میں اذان حق ۳۲۲
فکر اعتساب اور اسلامی انقلاب کا فارمولا ... مرحلہ ۳۵۰
ہمارے قومی اور ملی مسائل ۴۷۹
مولانا شاہ منصور، مولانا عبدالشکور دین پوری ۹۰۷

قرآنیات

قرآن حکیم اور علوم فلکیات (مفتی عبدالرحمان) ۲۷
نظریہ ارتقاء اور تبیین آدم مخلوق (شہاب الدین ندوی)
قرآن حکیم، بائیبل اور جدید سائنس (کریم الدین) ۲۵، ۱۰۳، ۱۶۱، ۲۴۴
فلسفہ حج بیت اللہ (علامہ افغانی) ۴۴۶
توضیح البیان کی تنقید اور اعتراضات کی حقیقت (عبدالدیان کلیم) ۳۱۰
ایڈز کی بیماری کی تین خصوصیات (ڈاکٹر سکندر حسن) ۲۸۹
بنگلہ دیش میں قرآن پاک کے تراجم و تفاسیر (لطف الرحمان فاروقی)

دعوات عبدیت حق — افادات شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ

صحبتے با اہل حق (عبدالقیوم حقانی) ۵، ۶۶، ۱۹۹، ۲۰۲، ۲۲۸، ۳۵۷، ۴۲۱
ظالمانہ بجٹ اور نفاذ شریعت سے گریز (اسمبلی میں خطاب) ۴۱۵ افادات ۴۶۵
دینی مدارس و مساجد، اہمیت و ضرورت اور برکات و خدمات

اسلامی قوانین، فقہ، اسلامی نظام حکومت و آئین

اسلام کا حکیمانہ نظام وراثت (مولانا برہان الدین) ۱۴۴
بیمہ کی شرعی حیثیت (مفتی محمد فرید) ۵۳
اسلام کا نظام ملازمت (گل شاہ حنیف) ۲۸۷
کھلا خط بنام وزیر مذہبی امور (قاضی عبدالکریم) ۴۰۶
اسلامی اداروں میں اسلام کے نظام زکوٰۃ کا حصہ (مولانا شہاب الدین ندوی) ۴۳۴

شریعت بل، آئین اور نظام (مولانا سمیع الحق) ۲۷۵ — اہم قومی و ملی مسائل (مولانا سمیع الحق) ۲۷۹
شرعی قوانین میں تذبذب یا نفاق (ابوالحسن ندوی) ۲۸۸ — اسلامی عدل و انصاف کے چند نمونے (ماسٹر محمد عمر) ۵۳۷
عدل فاروقی کے چند مناظر (ماسٹر محمد عمر) — سلامتی پاکستان کے لئے توجہ طلب نکات
اسلام کا اعجاز (محمود الانوار)

سنت و مقام حدیث اور تحقیق و استنباط مسائل

تحقیق استخراج حدیث (محمد مصطفیٰ اعظمی) ۱۵۳
پروفیسر شاخت اور حدیث نبوی (محمد مصطفیٰ اعظمی) ۲۷۷، ۳۲۳
عربوں کے اوہام و تخیلات (مولانا عبدالعزیز) ۳۷۳
اشاعت حدیث کے اسباب و اہتمام (مولانا محمد حنیف) ۳۶۱

قادیانیت، انکار حدیث، شیعیت، استشراق و دیگر فرق باطلہ

مرزائیوں کی دھمکی (سیف اللہ حقانی) ۲۴۵ — پروفیسر شاخت اور حدیث نبوی (ڈاکٹر محمد مصطفیٰ) ۲۲، ۲۷۷
پارلیمنٹ میں فتنۂ قادیانیت کا تعاقب (عبدالقیوم حقانی) ۲۱۱ — عالمی مجلس ختم نبوت کی مخلصانہ اپیل ۳۱۳
یہودیت اور ایرانی انقلاب (مولانا خلیل الرحمان) ۳۴۳ — حفاظت و اشاعت حدیث کے اسباب و اہتمام (محمد حنیف ملی) ۳۶۱
استناد حدیث اور امام ابوحنیفہ کا مسلک (عبدالقیوم حقانی) ۵۴۴ — سانحہ مکۃ المکرمہ، ایرانی جارحیت کے ناپاک عزائم
خطبۂ حجۃ الوداع (خالد محمود ترمذی) — مرزائیوں کی عبادت گاہیں

شخصیات، سیرت و سوانح، وفیات

میاں اصغر حسین دیوبندی ۸۵ — مولانا میاں جان شہید (محمد ابراہیم) ۹ — مولانا عبدالغنی دیروی (مولانا ابراہیم فانی) ۱۱۱
علامہ سمعانی سے ملاقات اور چند اہل علم شخصیات (عبدالقیوم حقانی) ۱۸۶ — مولانا عبدالحلیم مردانی صدر المدرسین دارالعلوم ۲۹۱
علامہ سمعانی سے ملاقات (پروفیسر خالد محمود ترمذی) ۳۱۷ — مولانا سعید احمد اکبرآبادی (ڈاکٹر ابوسلمان) ۴۲۸
احمد بن باروں (خالد محمود ترمذی) ۳۴۴ — فقیر غیور سرائے بہار (سید گل بادشاہ) ۴۸۴ — حضرت اخوندخیل غزنوی صاحب مرحوم ۳۶۹
مولانا محمد علی جالندھری (اعجاز احمد) ۳۹۱ — رشک شہنشاہ مولانا ہزاروی (ابراہیم فانی) ۴۰۹ — مولانا عبدالرزاق شاہ منصوری (فانی) ۵۲۶
مولانا غلام غوث ہزاروی (اعجاز احمد) — شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی (مولانا عبدالرؤف)
مولانا شاہ منصوری — مولانا عبدالشکور دین پوری

مغربی تہذیب و اسلامی تمدن، اسلام اور مغربی دنیا

سرسید اور تعلیم نسواں (ضیاء الدین) ۳۱۴ — تعلیمی اداروں میں اداکاروں کا تعارف (محمد سعید) ۲۴۸

تہافت المغرب ۳۱۶ — ایڈز کی بیماری کے تین خصوصیات (ڈاکٹر سکندر حسین) ۲۸۹

عالم اسلام، جہاد افغانستان، سیر و سیاحت اور تاریخ

جہاد افغانستان اور حقانی شہداء (محمد ابراہیم فانی) ۹ — حقانیہ سے ازبک (مفتی غلام الرحمن) ۵۵، ۹۵، ۱۷۱، ۲۲۸، ۳۶۹، ۳۷۹، ۴۵۹

مکتوب مکۃ المکرمہ (محمد فاضل عثمانی) ۲۴۷ — دیار نبی میں (ماسٹر محمد عمر) ۳۵۳

حرم شریف کی مرکزیت (ڈاکٹر ماجد علی خان) ۵۰۴ — جہاد افغانستان کی تازہ رپورٹ (محمد حلیم حقانی) ۵۲۹

سانحہ مکۃ المکرمہ، ایرانی جارحیت کے ناپاک عزائم (عبدالقیوم حقانی) — قندھار چلو قندھار چلو (ظفر علی خان)

دارالعلوم کے شب و روز

دارالعلوم کی لائبریری کے لئے جدید کتب خرید ۱۱۹ — جمعیۃ علماء اسلام اور شریعت محاذ کا انتخاب ۱۲۰

پارلیمنٹ کے سامنے مظاہرہ ۱۲۰ — دارالعلوم کی امتحانی کمیٹی کے فیصلے ۱۲۱

رورل اکیڈمی کے افسروں کا تربیتی پروگرام ۱۲۱ — ختم بخاری شریف، امتحانات کا انعقاد، تعطیلات ۵۷۴

ترجمہ ر دورہ تفسیر — پیر محمد تقی کی شہادت ۶۷۴ — نیا تعلیمی سال ۷۷۴

تعارف و تبصرہ کتب

خطوط ماجدی (ڈاکٹر ابو سلمان) ۵۸ — اردو کا ادیب اعظم (عبدالماجد) ۵۸

مفید الواعظین (رشید احمد) ۵۹ — با محمد باوقار (قاضی محمد زاہد الحسینی) ۱۲۵

اقراء ڈائجسٹ قطب الاقطاب نمبر ۱۲۶ — مناسک الحج (مولانا غلام مصطفیٰ) ۱۲۶

ماہنامہ الحسن ۱۲۷ — پرویز اور قرآن (مولانا مدار اللہ مدار) ۲۵۳

تہذیب و تمدن پر اسلام کے اثرات و احسانات (ابوالحسن علی ندوی) ۲۵۵

مجموعۃ الافکار فی توضیح الاذکار (مولانا سعید رحمن) ۲۵۶ — تہافۃ المغرب (ڈاکٹر عبدالرحمن نجم) ۳۱۶

فتاویٰ عالمگیری ۳۱۷ — دفاع امام ابوحنیفہ (عبدالقیوم حقانی) ۳۷۹

تذکرہ دیار حبیب (قاضی محمد زاہد الحسینی) ۵۷۴ — کتاب المعارف (ابن قتیبہ) ۴۷۰

ماہنامہ الاشرف ۴۷۱ — خدوخال اقبال (محمد امین زبیری) ۴۷۲

امام اعظم ابوحنیفہ کا نظریۂ انقلاب و سیاست (عبدالقیوم حقانی)

اے بی سی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

لہ دعوة الحق

قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار

فون نمبر
ڈائرکٹ سسٹم
دفتر الحق 340 -052317
دفتر دارالعلوم 342 -052317

جلد نمبر ۲۲
شمارہ ۱۲
ذی الحجہ ۱۳۰۷ھ
ستمبر ۱۹۸۷ء

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

مدیر ——— سمیع الحق

اس شمارے میں

نقش آغاز	سمیع الحق	۲
(کفران نعمت، فتنۂ رفض، اور دفاع صحابہ)		
دینی مدارس و مساجد	شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ	۸
(اہمیت وضرورت اور برکات وخدمات)		
نظریہ ارتقاء اور ماقبل آدم مخلوق	مولانا شہاب الدین ندوی	۱۱
بنگلہ زبان میں قرآن پاک کے تراجم وتفاسیر	جناب لطف الرحمٰن فاروقی	۲۱
حلوائیوں کا کام کرنے والے ارباب علم وفضل	مولانا عبدالقیوم حقانی	۳۰
(امام حلوائی، امام بزدوی اور امام سرخسی)		
اسلام کا اعجاز	جناب محمود الازہار ندوی	۴۲
حقانیہ سے ازہر تک	مولانا مفتی غلام الرحمٰن	۵۱
(مصر کا تازہ سفرنامہ)		
تبصرہ کتب	مولانا عبدالقیوم حقانی	۵۹
صحبت فاتح عالم	جناب عدنان خالد	۶۰

بدل اشتراک

پاکستان میں سالانہ	۴۰/- روپے	بیرون ملک بحری ڈاک	چھ پونڈ
فی پرچہ	۴/- روپے	〃 ہوائی ڈاک	دس پونڈ

(سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق اکوڑہ خٹک (دارالعلوم حقانیہ) سے شائع کیا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم!

نقشِ آغاز

* کفرانِ نعمت کا وبال
* فتنۂ رفض وانکارِ صحابہؓ
* دفاعِ صحابہؓ اور ہمارا فرض
* مولانا عبدالشکور دین پوریؒ
* مولانا عبدالہادی شاہ منصوریؒ

اللہ اکبر۔ ملک وقوم کی یہ غیر یقینی اضطراب انگیز حالت۔ انگریزی قانون کی بالادستی اور نفاذِ شریعت سے گریز غربت وافلاس۔ مہنگائی اور بدحالی۔ باہمی جنگ وجدال۔ بے گناہ انسانوں کے خون کی ارزانی۔ بم دھماکے۔ بے ظلم وستم یہ قید وبند۔ نفاذِ شریعت سے تمسخر اور مذاق۔ الغرض چاروں طرف بربادی اور شر وفساد کا دور دورہ ہے۔ پوری قوم اعمال وافعال کی مکافاتی چکیوں میں پستی چلی جارہی ہے۔ گویا اس بستی کی پوری تصویر ہمارے سامنے ہے جس کی مثال قرآن حکیم نے دی ہے جسے خدا نے ہر طرح کی عافیت، سکون، خوشحالی اور فارغ البالی سے نوازا۔ مگر بستی والوں نے نہایت بے دردی سے اللہ تعالیٰ کی ساری نعمتوں کی ناشکری کی۔ پھر خدا نے کیا کیا۔ اس ساری آسودگی کو بدحالی اور بھوک وافلاس سے بدل دیا۔ امن وعافیت کی جگہ خوف واضطراب نے لے لی۔ فاذاقھا اللّٰہ لباس الجوع والخوف۔

اس مثال کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ان سب لوگوں کو تنبیہ فرمائی جو خدا کی نعمتوں کو خیر کی بجائے شر کا ذریعہ بناکر خدا کی بستیوں کو امن وسکون کی بجائے انتشار واضطراب سے بھر دیتے ہیں۔ خدائے بزرگ وبرتر ایسے واقعات کا ذکر کرکے انہیں للکارتا ہے کہ خدائے حی وقیوم اس پر قادر ہے کہ وہ دن کو ہنستے کھیلتے ہوئے اور راتوں کو میٹھی نیند سوتے ہوئے انہیں اپنے اعمال کا مزہ چکھا دے۔

افاَمنوا مکر اللّٰہ ان یاتیہم بأسنا ضحیً وھم یلعبون۔ افامنوا مکر اللّٰہ ان یأتیھم بأسنا بیاتًا وھم نائمون۔

پھر کیا اس بدنصیب ملک کے یہ آئے دن کے انقلابات اور تنبیہات قرآن کریم کی اس ابدی صداقت کی تائید مزید نہیں کررہے۔ ملک کی شکست وریخت پھر لاکھ سوا لاکھ کا ہندو کے ہاتھوں قید وبند اور سقوطِ ڈھاکہ اور اب سرحد وبلوچستان اور قبائل میں روسی طیاروں کی بے گناہ شہریوں پر مسلسل بمباری، صوبائی عصبیت، لسانی فسادات اور علیحدگی پسند رجحانات۔ سندھ اور کراچی کی مخدوش اور تباہ کن صورتِ حال اور اب محرم الحرام میں ہلاکت خیز

خوں ریزی کی تیاریوں نے اس تبدیلی کی یاد تازہ نہیں کی جو جنرل نصر کے ہاتھوں یہود کو اٹھانی پڑی تھی۔ کراچی کے فسادات نے کیا بیروت اور لبنان کا سماں نہیں باندھا، کیا اس کے بعد بھی کسی باشعور قوم کو خانہ جنگی کی ہلاکت و بربادی کے نقشے دہرانے کی ضرورت رہ جاتی ہے؟

یہ سب کچھ ہوتا رہا اور ہو رہا ہے۔ مگر غفلت و سرکشی کے حجاب اور بھی دبیز ہوتے چلے گئے۔ سنگدلی اور شقاوت کی گہرائیوں میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔ انفرادی اور اجتماعی حقوق اور مراتب پامال ہوتے رہے۔ تمام عمرانی اور معاشرتی تقاضوں کو روند ڈالا گیا۔ ملی اخلاقی اقدار تہس نہس کر دی گئیں۔ اسلام، جمہوریت، مساوات، اخلاق و اقدار، عدل و انصاف، حقوق اور ذمہ داریوں کی دھجیاں اڑا دی گئیں۔ خدا طلبی کی جگہ خدا فراموشی، حیا اور عفت کی جگہ بے حیائی اور فحاشی، ضبط و اطاعت کی جگہ بدنظمی اور انارکی، خوفِ آخرت کی جگہ مادہ پرستی نے لے لی۔ ہوسِ زر کے عفریت نے حلال و حرام کی ساری حدود توڑ کر رکھ دیں۔ راعی رعیت کے حقوق سے غافل اور رعیت راعی کے آداب سے بے خبر۔ ظلم نے عدالت اور فریب و عیاری نے سیاست کا روپ دھارا۔ الغرض ملک کی حالت ایک بھٹی جیسی ہو گئی جس میں کود کر اب پوری قوم اضطراب، بدگمانی، خوف و لالچ و ہوس، بھوک اور ننگ، پستی اور باہمی جنگ و جدال کی آگ میں سلگ اور سسک رہی ہے۔ آبروئے جان و مال کا اعتماد ختم ہوا۔ اطمینان و عافیت کے سارے سہارے ٹوٹتے چلے گئے۔ آسائش اور خوشحالی تو بڑی بات ہے۔ ایک بڑی اکثریت کے لئے زندگی کا سہارا رمق قائم رکھنا بھی وبالِ جان بن گیا۔ اور ارشادِ ربانی فکفرت بانعم اللہ فاذاقها اللہ لباس الجوع والخوف بما کانوا یصنعون کا بدرجہ اتم ظہور ہو گیا۔ ایسے حالات میں نجات کا واحد ذریعہ نفاذِ شریعت کا فوری اقدام ہے اور الحمد للہ کہ علماءِ حق پارلیمنٹ میں بھی اور اس سے باہر بھی اس کے لئے حتی المقدور اور بھرپور مساعی کر رہے ہیں السعی منا والاتمام من اللہ ؎

شکست و فتح نصیبوں سے ہے ولے اے میر
مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا

قومی یکجہتی، استحکام، باہمی رواداری اور اتحاد و اتفاق کی ضرورت و اہمیت سے کس باشعور شخص کو انکار ہو سکتا ہے۔ جن لوگوں کے ہاتھ میں عنانِ اقتدار ہے ان کی طرف سے بھی ملکی سالمیت کی خاطر قومی یکجہتی، باہمی اتحاد اور حسنِ معاشرت پر زور دیا جا رہا ہے۔ اس ملک کی غالب اکثریت اہلسنت والجماعت کی ہے جس کے ریشہ ریشہ میں صحابہ کرامؓ کی عظمت و تقدیس کے ساتھ ساتھ اہلِ بیتؓ اور ائمہ اطہارؒ کی محبت بھی رچی بسی ہے۔

ایک ایسی اکثریت اگر اپنے اساسی نظریات دینی معتقدات کے تحفظ اور دفاع کے لئے کسی اقلیتی فرقہ کی ان

سرگرمیوں میں قدغن کرتی ہے جس کی زد دینی عظمت و تقدس اور دینی افکار و نظریات پہ پڑ رہی ہے یا جس سے ان کے مسلک و مذہب کے ان لوگوں کی عظمت مجروح ہوتی ہے جن کا وجود دین میں امتیازی اور اسوہ کا مقام رکھے تو ایک اسلامی جمہوری ملک میں اسے سرگرمی انتہا پسندی اور تفرقہ انگیزی پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ اس اخلاقی، سیاسی جمہوری اور دینی استحقاق کے باوجود یہاں کی اکثریت محض قومی یکجہتی اور ملکی استحکام کی خاطر رہا اپنی دینی اقدار و مسلمات سے غفلت اور بے حسی کی وجہ سے اقلیتی طبقوں سے جس رواداری یا مساوات اور حسن سلوک کا مظاہرہ کرتی ہے، چاہیئے تو یہ تھا کہ اس حسن معاشرت اور فراخدلی کا خیر مقدم کیا جاتا۔ اپنے دل آزار معتقدات کو اپنے تک محدود رکھا جاتا، نہ یہ کہ پورے ملک کے سواد اعظم اور اب کے تازہ واقعات کے پیش نظر عالم اسلام، حجاز مقدس، حرمین الشریفین پر اپنے جارحانہ عزائم اور توسیعی ارادے نافذ کرانے کی سعی کی جاتی اور اس کے لئے ایسی روش اختیار کی جاتی جو نہ تو پاکستان کی سالمیت، ملت اسلامیہ کے استحکام اور بنیادی اصول سے جوڑ کھائے اور نہ اکثریت کا مسلک و مذہب اسے گوارا کر سکے۔

مگر یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ کوئی فرقہ یا جماعت تو کیا کوئی ایک فرد بھی اٹھ کر پورے ملک کے معتقدات اور پاکستان بلکہ عالم اسلام کے اساسی نظریہ، اسلام کو للکار سکتا ہے۔ اسے دین اور مذہب کے ایک ایک ستون گرانے اور اسلام کے پورے فکری نظام کو تہ و بالا کرنے کی کھلی چھوٹ ہے۔ وہ ڈنکے کی چوٹ علم و مشیخت، مدرسہ و خانقاہ مسجد و مکتب، درس و تدریس، تصنیف و مطالعہ، ارشاد و تربیت، عظمت صحابہؓ، غرض اسلام کی ترجمانی کرنے والے تمام مظاہر، اداروں اور شخصیتوں کو حرف غلط کی طرح مٹانے کی تبلیغ کرتا ہے۔

اہل سنت والجماعت (دوسرے الفاظ میں پاکستان کی غالب اکثریت) کی "فراخ حوصلگی" سے غلط فائدہ اٹھانے کی کوشش شیعہ حضرات نے بھی ایرانی انقلاب کے بعد پرزور طریقے سے شروع کر رکھی ہے۔ ان کے ایک ذمہ دار گروہ کی جانب سے تحریک نفاذ فقہ جعفریہ اور عزاداری (دوسرے الفاظ میں تبرا اور صحابہؓ کے سب و شتم) کے جلوسوں کو ہر قسم کی پابندی سے آزاد کرانے اور ملک میں ہر طرح کی ہڑبونگ، دنگا فساد اور تخریب کاری کی کھلی چھوٹ کے مطالبات پیش کئے جا رہے ہیں۔ ان مطالبات کی خاطر میدان کربلا اور شریعت بل کی منظوری و نفاذ کی صورت میں لکھنؤ ایجی ٹیشن کی یاد تازہ کرنے کی دھمکیاں دی گئی ہیں۔

اکثریتی طبقہ کے علمی و فکری حلقوں نے ان انتشار انگیز باتوں کو درخور اعتنا ہی نہ سمجھا کہ ملکی استحکام اور بقاء کو غتر بود کرنے والی ان فتنہ انگیز باتوں پر غور کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا جس کی ہلاکت آفرینی کا شیعہ حضرات کے سمجھ دار اور سنجیدہ حلقوں کو بھی احساس ہو گا۔ آخر یہ کیسے برداشت کیا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرامؓ جو ہمارے دین کے سرکاری گواہ ہیں جس قدسی صفات جماعت کے ذریعہ ہمیں قرآن و حدیث کا ذخیرہ پہنچا جن کی بے لوث قربانی اور

کوششوں کے نتیجے میں ہمیں اور ہمارے اسلاف کو کفر و شرک اور ظلم و ضلالت کی ظلمتوں کی جگہ ایمان و یقین اور عدل و انصاف کی روشنی نصیب ہوئی۔ ان کی عظمت و تقدس اور ان کی قائم کردہ بنیادوں پر تیشہ چلانے کی اجازت دے دی جائے؟ ایسے حالات میں دردمندانِ اسلام اور علماءِ دین کا یہ اولین فرض بنتا ہے کہ وہ متفق ہو کر اس لبادۂ عبادی کو تار تار کر دیں۔ بلاشبہ ایسی گستاخ زبانیں گنگ اور مکروہ ہاتھ شل اور حلیے مسخ ہو جانے چاہئیں جن کی چیرہ دستیوں سے حضراتِ صحابہ کی قیمت، عظمت و تقدیس، شرافت، عدالت و تعدیل بھی محفوظ نہ رہ سکے۔

قدسیوں کی اس جماعت صحابہؓ کی تقدیس اور تعدیل پر ہمارے افکار و نظریات ہمارے قرآن، ہمارے سنت اور ہمارے تمام اسلامی نظام کا مدار ہے۔ وہ دین اور شریعت کی اساس ہیں۔ وہ ہمارے قرآن کی صداقت اور ہمارے پیغمبر کی حقانیت کے گواہ ہیں۔ غیر تو غیر اپنوں میں سے بھی اگر کوئی اٹھ کر ان ستونوں کو گراتا ہے، ان کی عدالت مجروح کرنے کی مذموم سعی کرتا ہے، ان کی عظمت اور تقدس کو داغدار کرنا چاہتا ہے تو ہم اسے ملی خودکشی اور اپنے دین اور اپنے پیغمبرِ حق شریعت سے دشمنی ہی سمجھیں گے۔ اور پوری خیر خواہی، اخلاق اور خدا ترسی سے اس ہاتھ، اس قلم اور اس زبان کو روکنے کی کوشش کریں گے کہ اگر دین کے یہ اولین محافظ (خاکم بدہن) منافق، سازشی، منافق پالیسی، خود غرض یا اقربا پرور اور معاذ اللہ جابر و ظالم تھے۔ تو جو دین اور شریعت اور جو کتاب و سنت ان کے ذریعے ہم تک پہنچی اور جس پر دین کی عمارت کھڑی ہوئی۔ یہ ساری عمارت اور سارا ڈھانچہ خود بخود دھڑام سے گر پڑے گا۔ صحابہ کرامؓ کی تقدس، ثقاہت اور تعدیل کا مسئلہ صرف جذبات اور نری عقیدت کا نہیں۔ اور نہ اسے تعصب اور بدخواہی پر محمول کرنا چاہئے۔ یہ پوری شریعت اور پیغمبرِ اسلامؐ کی صداقت اور حقانیت کا سوال ہے جن لوگوں کی جانفشانی، اخلاص، عزیمت، ایثار و جہاد کی بدولت آج ہم مسلمان ہیں اگر ہم علم و تحقیق یا عناد و تعصب کا تیشہ ان ہی پر چلانے لگیں تو اس سے بڑھ کر ناشکری اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں بقول امام شعبی (جسے شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے منہاج السنہ میں نقل کیا ہے) یہود و نصاریٰ سے بھی بدتر ہوں گے اور یہود و نصاریٰ ہمارے مقابلے میں زیادہ مرتبہ شناس اور قدردان کہ جب ان لوگوں سے پوچھا گیا کہ تمہاری ملت میں زیادہ بہتر کون لوگ ہیں؟ تو یہود نے کہا حضرت موسیٰ کے ساتھی اور عیسائیوں نے کہا کہ حضرت عیسیٰ کے حواری (صحابہ) اور ایک ہم ہیں کہ اپنے رسولؐ کے صحابہؓ کو بدترین امت ثابت کرنے لگے۔

کیا ہم نے کبھی غور کیا کہ اس طوفان نوحہ و ماتم میں ہمارا پورا گھر (دین و شریعت) تو نہیں ڈوب رہا؟ اور ہماری تحقیق و اکتشاف کی کلہاڑی سے قصرِ اسلام میں شگاف تو نہیں پڑ رہے۔

ولا فعل اللہ ذالک فاعتبروا یا اولی الابصار

مشہور عالم دین مبلّغ اسلام۔ وکیل صحابہ حضرت مولانا عبدالشکور دین پوری گذشتہ دنوں عازم اقلیم عدم ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وقت کے عظیم واعظ، مجاہد ملت، ناموس رسالت اور عظمت صحابہؓ کے ترجمان۔ اتحاد امت کے داعی اور ملک کے مایہ ناز خطیب تھے۔ موصوف کی ساری زندگی تبلیغ واشاعت دین میں گذری۔ فرق باطلہ، رفض وشیعیت، منکرین ختم نبوت، اہل بدعت، ضلال اور زنادقین و ملحدین کے باطل نظریات وعقائد کا ابطال اور ان کے خلاف تبلیغی اور لسانی جہاد مولانا کی تقریروں کا ہدف تھا۔ شاید ہی ملک کا کوئی شہر ایسا ہو جہاں موصوف توحید وختم نبوت اور ایمان وعمل صالح کی دعوت وتبلیغ کی غرض سے تشریف نہ لے گئے ہوں۔ موصوف تحریک ختم نبوت، تحریک نظام مصطفےٰ اور اب تحریک نفاذ شریعت میں اپنے اکابر کے ساتھ ہر میدان میں شانہ بشانہ رہے۔ دین کی دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں موصوف کی مساعی جمیلہ، مسلسل سفر اور مواعظ حسنہ ارباب علم ودانش اور اہل وطن کو ہمیشہ یاد رہیں گے۔ مرحوم سالارِ قافلہ حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی مدظلہ کے قریبی عزیزوں میں سے تھے نماز جنازہ انہوں نے پڑھائی۔

جماعتی اعتبار سے یہ صدمہ اور نقصان تو ناقابلِ تلافی ہے ہی، مگر اتحاد امت کے داعی اور مخلصانہ تقاریر ومواعظ کی وجہ سے ملک کے جملہ مکاتب فکر اور ارباب دین ودانش مرحوم کی وفات کو قوم وملت کے لئے ایک عظیم سانحہ قرار دے رہے ہیں۔ عامۃ الناس میں ان کی مساعی ہمیشہ مشکور ہی رہیں۔

اب ان کا معاملہ ایسی ذات سے ہے جو سراپا غفور رحیم اور مشکور وقدردان ہے۔
خدا مغفرت کرے بڑے فقیر منش اور درویش صفت انسان تھے۔

صوبہ سرحد کی مشہور علمی ودینی شخصیت شیخ التفسیر حضرت مولانا عبدالہادی شاہ منصوری بھی اس دار فانی سے دارالبقا کو رحلت فرما گئے۔

موصوف اتباع سنت، طہارت وتقویٰ، زہد وورع، تبحر علم، وسعت نظر اور کتاب وسنت کی تفسیر اور تعبیر میں یگانہ تھے۔ ساری زندگی مطالعہ کتب بینی اور قرآن کی تعلیم وتدریس میں گذار دی۔ کئی سالوں سے علیل تھے مگر خدمت قرآن اور ترجمہ وتفسیر کے انہماک کا وہی عالم رہا افسوس کہ اب یہ شمع نور وہدایت بھی ۲۳ / اگست بروز اتوار ہمیشہ کے لئے بجھ گئی۔

موصوف دبلے پتلے، نحیف، سادہ وضع، صورت سے متواضع، حلیم اور سیرت سے اگلے وقتوں کی یادگار معلوم ہوتے تھے، ہمہ وقت چشم گریاں اور دل خنداں کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ شہرت نام ونمود، پوسٹر بازی اور موجودہ دور کے اشتہاری طریقوں سے ناآشنا اور طبعاً محترز تھے۔ اپنے آبائی گاؤں شاہ منصور میں گوشہ عزلت

میں زندگی گزارنے اور گمنامی وخاموشی کے ساتھ سفرِ آخرت کی تیاری میں مصروف رہنے کے باوجود طلبۂ علوم دینیہ کے مرجع ٹھہرے۔ ہر سال شعبان اور رمضان المبارک کی تعطیلات میں ۲۰۰ سے ۳۰۰ طلبہ آپ کے ترجمہ وتفسیر قرآن کے درس میں شریک ہوا کرتے تھے۔

موصوف کے مطالعہ کی وسعت، ذوق کی لطافت اور پاکیزگی نفس کا نقش عوام وخواص سب کے دل ودماغ پر ثبت ہو چکا تھا یہی وجہ تھی کہ موصوف کی وفات کی خبر صوبہ سرحد اور پورے ملک میں نہایت رنج وافسوس اور حسرت واندوہ کے ساتھ سنی گئی۔ لوگ دور دراز مقامات سے پیادہ، بسوں، ویگنوں اور کاروں میں پہنچتے رہے۔ دارالعلوم کے اساتذہ ومشائخ اور طلبہ کے علاوہ خود حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ بھی باوجود علالت وشدت مرض کے ان کے جنازہ میں شریک ہوئے۔ مرحوم کو حضرت شیخ الحدیث مدظلہ اور دارالعلوم سے خصوصی تعلق تھا۔ یہاں کے اساتذہ اور طلبہ کو سر آنکھوں پر بٹھلاتے اور ان کے اکرام میں دیدہ ودل بچھاور کرتے تھے۔ گو موصوف نہیں رہے مگر ان کے لائق اور فاضل فرزند مولانا الہادی شاہ منصور میں ان کا قائم کردہ دارالعلوم اور ہزاروں تلامذہ ان کا عظیم صدقۂ جاریہ ہیں۔ جو قیامت تک ان کے نام اور کام کو زندہ رکھیں گے۔
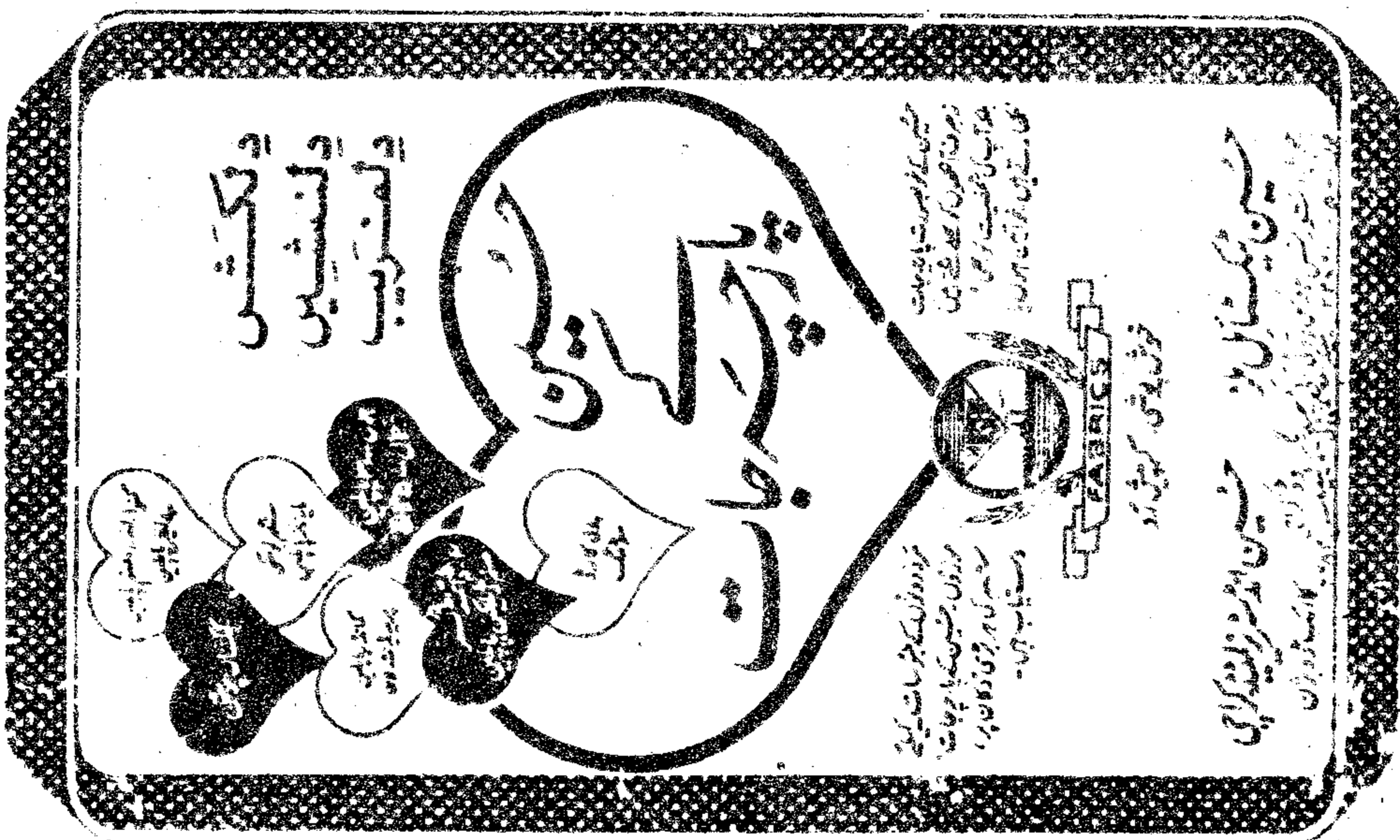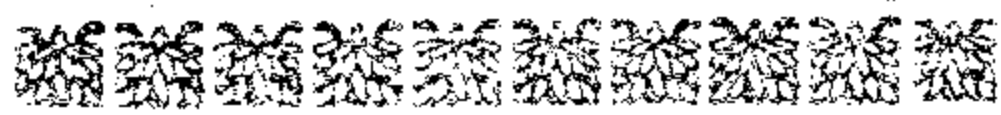
افادات : شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ
ضبط و ترتیب : مولانا عبدالقیوم حقانی

دینی مدارس و مساجد

اہمیت و ضرورت اور برکات و خدمات

گذشتہ سال شوال میں دارالعلوم کے فاضل مولانا شاہد کمال کی دعوت پر حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے سواتو پھاٹک پشاور میں دینی مدرسے افتتاح کے موقعہ پر مختصر خطاب فرمایا جو محفوظ کر لیا تھا نذر قارئین ہے

میرے محترم بزرگو ! چونکہ وقت بہت مختصر ہے اور میں اس کا اہل بھی نہیں ہوں کہ معروضات پیش کر سکوں ایک تو بیماری ہے علالت ہے کئی سالوں سے جلسوں وغیرہ میں شرکت نہیں کر سکا۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ جیسے بزرگوں اور دیندار حضرات نے ملاقات کا موقع فراہم کر دیا ہے۔

آپ علم کی، دین کی عزت اور قدر کرنے والے ہیں۔ اللہ نے تمھیں جذبہ ایمانی سے نوازا ہے جس کی برکت سے مجھ جیسے گنہگار کو بھی آپ کے ہاں حاضری کی سعادت عطاء فرمائی۔

محترم دوستو ! وقت نہیں کہ کچھ عرض کر سکوں، یہ ایک مسجد اور مدرسہ کی افتتاح کا پروگرام ہے ہم جو اس تقریب میں جمع ہوئے ہیں سب اللہ کے حضور عاجزانہ درخواست کریں کہ اللہ تعالیٰ اس مسجد و مدرسہ کو اپنے انوار و برکات سے مالا مال کر دے۔

بھائیو ! مسجد کی بنا کی تقریب کی اہمیت اور عنداللہ اس کی محبوبیت کا اندازہ آپ اسی سے لگا سکتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے جنت سے دو پتھر بھیجے۔ ایک حجر اسود اور دوسرا مقام ابراہیم، کہ میرے گھر اور میرے مکان کی تعمیر ہو۔ گویا اللہ نے اپنے گھر کی تعمیر کے لئے جنت سے پتھر نازل فرمائے۔ مسجد و مدرسہ کی تعمیر اللہ کے نزدیک نہایت محبوب اور قابل قدر چیز ہے۔ اس کی تعمیر پہ عالم کا ذرہ ذرہ اور مخلوق کا ہر فرد فخر کرتا ہے۔

بیت اللہ، اللہ کا اولین گھر ہے اور باقی مساجد و مدارس اس کی شاخیں ہیں۔ ہم اسلئے جمع ہوئے ہیں کہ جس طرح اللہ نے اپنے گھر کی تعمیر کے لئے جنت سے حجر اسود و مقام ابراہیم کو نازل فرمایا ہم بھی اسی طریقہ پر اس کی نقل کرتے ہوئے یہاں اللہ کے گھر کی بنیاد رکھیں کہ خدا تعالیٰ ہمیں بھی ان انوار و برکات سے مشرف کرے جو وہ اپنے گھر کے خدام پر نازل فرماتا ہے مسجد کی

بنیاد اور تعمیر گو اینٹ پتھر چونا اور مٹی کی ترکیب پر موقوف ہے مگر اللہ کے گھر سے نسبت کے پیش نظر جس طرح حجر اسود اور مقام ابراہیم کو شرافت حاصل ہوگئی عزت حاصل ہوگئی قرب و رضاء کا وسیلہ بن گیا جو شخص حجر اسود کے سامنے ہوا ایمان ویقین کے ساتھ اللہ اکبر پڑھا، حجر اسود کو بوسہ دیا، تقبیل کیا۔ تو اسکے سارے گناہ جھڑ جاتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے گناہوں سے پاک کر دیتے ہیں۔ اسے حج مبرور حاصل ہو جاتا ہے۔ حج مبرور کا بدلہ سوائے جنت دینے کے کسی اور چیز پر اللہ راضی نہیں ہوتے۔ حج کے بدلے فقر کو دور کر دیتے ہیں مفلسی ختم ہو جاتی ہے یُسرت اور تونگری آجاتی ہے۔ آپ دیکھ لیں جن لوگوں کو حج کی سعادت حاصل ہوئی ہے حج سے قبل ان کے ہاں فاقہ تھا، غربت تھی، مسکنت تھی مگر حج کے بعد آسودہ حالی ہے۔

تو یہ تقریب بھی خدا کے گھر کے آباد کرنے اور دین کی خدمت کرنے کی تقریب ہے یقیناً جب اخلاص ہوگا تو اللہ تعالیٰ وہی انوار وتجلیات نازل فرما دیں گے جو وہ بیت اللہ کے خدام ومتعلقین پر نازل فرماتے ہیں۔

یہ پاک مجلس ہے یہ مبارک محفل ہے یہ خدمت واشاعت دین کا عزم ہے۔ یہ آپ جیسے نیک ارادے رکھنے والوں پاک ہستیوں اور پاکیزہ نفوس کی برکتیں ہیں۔ آج دین محفوظ ہے، قرآن محفوظ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث محفوظ ہیں۔

اسلام باقی ہے تو یہ مساجد اور مدارس اور ان کے خدام کی برکت ہے۔ تعلیم وتعلم اور درس وتدریس کی برکت ہے۔ آپ جس کام کے کرنے کا ارادہ کر چکے ہیں یہ ایسے نیک عزائم اور پاکیزہ ارادوں کی برکتیں ہیں۔

اگر آج علماء، طلباء اور مساجد ومدارس نہ ہوتے ، روس جیسے ظالم اور جابر طاقتوں کا مقابلہ کون کر سکتا تھا۔ اگر مدارس نہ ہوتے تو علماء نہ ہوتے تو ہمیں بسم اللہ کون سکھلاتا، نماز کس سے سیکھتے، قرآن کون پڑھاتا۔ ماں بہن کی تمیز کیسے ہوتی اور انسانیت کو شرافت کون بخشتا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں جب انگریز غالب ہوئے اور مغربی تہذیب کی یلغار نے مسلمانوں کے قومی وملی ورثہ کو لے بہانے کا رویہ اختیار کیا تو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور ان کے مخلص رفقاء نے دیوبند میں ایک دینی مدرسہ "دارالعلوم" کی بنیاد رکھی۔ انار کے درخت کے نیچے، ایک طالب علم، ایک استاد، مدرسہ کا افتتاح ہوگیا، دنیا مسکراتی تھی کہ یہ

کیا ہو رہا ہے۔ یہ کیا انقلاب لائیں گے۔

مگر آج ہم دیکھتے ہیں جہاں جاؤ گے دارالعلوم دیوبند کے فضلاء یا ان کے تلامذہ کا فیض پاؤ گے۔ ہر گلی کوچہ میں آپ کو کلمہ گو ملیں گے جو علماء دیوبند کے عقیدتمند ہوں گے ہمارے اکابر نے سستی نہیں کی غفلت سے کام نہیں لیا۔ ہر موقع اور ہر وقت قدم اٹھایا اور آج اللہ کریم نے ان کی ہمت و محنت قبول کر لی۔

اگر دارالعلوم دیوبند کا مدرسہ قائم نہ ہوا ہوتا، علماء دیوبند کے دینی و قومی اور ملکی و ملی خدمات نہ ہوتے۔ اس ملک میں دین اسلام کا حقیقی حلیہ بھی موجود نہ ہوتا۔

تقسیم ہند کے بعد پاکستان میں بھی اکابر علماء دیوبند کے تلامذہ نے دارالعلوم دیوبند کے نقشہ کے مطابق دینی مدارس قائم کیئے۔ اور آج تک الحمد للہ جو ں کا توں اسلام باقی ہے اور دین کی خدمت ہو رہی ہے۔

آج ہمارا ملک محفوظ ہے، ہماری اسلامی اور تاریخی روایات محفوظ ہیں۔ یہ سب دینی مدارس اور اکابر علماء دیوبند کی برکتیں ہیں۔

آپ کا یہ مدرسہ جس کی آپ آج بنیاد رکھ رہے ہیں یہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ حدیث کا مضمون ہے جو اللہ کا گھر بناتا ہے، مسجد بناتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکو جنت میں شاندار محل عطاء فرماتے ہیں۔

ابن ماجہ کی روایت میں ہے جس نے چڑیا کے گھونسلے کے برابر بھی اللہ کی مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا اس کے لئے بھی بنی اللہ له بیتاً فی الجنة کی بشارت ہے۔

خدا تعالیٰ سب کو اپنی رضا سے نوازے۔ اور زیادہ سے زیادہ خدمت و اشاعت دین کے مواقع فراہم فرمادے۔

مولانا شہاب الدین ندوی

نظریۂ ارتقا اور ماقبل آدم مخلوق

آدم جنوں کے جانشین

اس موقع پر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ مفسرین کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اسی سابقہ مخلوق کے "خلیفہ" تھے یعنی نوعیت ترتیب (SPECIFIC ORDER) کے لحاظ سے روئے زمین پر سابقہ مخلوق کے بعد جلوہ افروز ہونے والی ایک نئی نوع، کیونکہ خلیفے کے اصل معنی لغوی اعتبار سے "پیچھے آنے والے" کے ہیں، چنانچہ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: والمراد "بالخلیفۃ" أنه خلف من كان قبله من الخلق ۔ خلیفہ سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے ماقبل مخلوق کا جانشین بنا۔[۴]

اور متعدد روایات میں آتا ہے کہ وہ مخلوق جو آدم سے پہلے زمین پر آباد تھی، وہ "جن" تھی۔ کتب تفسیر میں اس معنی کی کئی ایک روایات اور بعض حیرت انگیز انکشافات موجود ہیں، جن کے ملاحظے سے اسلامی روایات و تعلیمات کی صداقت کے نئے نئے پہلو ظاہر ہوتے ہیں، چنانچہ اس موقع پر بعض روایات درج کی جاتی ہیں اور ان سب کا ماحصل ایک ہی ہے۔

ابن قتیبہ وہب بن منبہ سے نقل کرتے ہیں کہ آدم سے پہلے زمین پر جن رہتے تھے۔ پھر ان میں سے ایک گروہ نے خون ریزی کی۔ اللہ نے آسمان دنیا کے ساکن فرشتوں کی ایک فوج کو بھیجا جن میں ابلیس بھی ان کے سردار کی حیثیت سے موجود تھا۔ پس وہ زمین پر اترے اور انہوں نے جنوں کو مار بھگایا۔ پھر موصوف نے اس کی تائید میں یہ آیت پڑھی "وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ مِن نَّارِ السَّمُومِ" (اور ہم نے اس سے پہلے جنوں کو گرم ہوا کی آگ سے پیدا کیا تھا) یعنی آدم کی تخلیق سے پہلے۔ غرض انہوں نے جنوں کو سرحدوں اور سمندر کے جزیروں تک پہنچا دیا۔[۵]

۴۔ فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۳۵ ص ۴۳، مطبوعہ ریاض ۱۳۹۸ھ

۵۔ المعارف، ابن قتیبہ، ص ۸، مطبوعہ کراچی۔

علامہ ابن جریر طبری نے حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت کی ہے کہ زمین پر جو پہلے آباد تھے وہ جن تھے، پھر انہوں نے فساد برپا کیا اور خون ریزی کی اور ایک دوسرے کو قتل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو فرشتوں کی ایک ایسی جماعت کے ساتھ بھیجا جو خود بھی "جن" کہلاتے تھے، چنانچہ ابلیس اور اس کے ساتھیوں نے جنوں کو قتل کیا اور انہیں سمندروں کے جزیروں اور پہاڑوں کے اطراف میں پناہ لینے پر مجبور کردیا۔

اول من سکن الارض الجن، فأفسدوا فیها وسفکوا الدماء وقتل بعضهم بعضاً، فبعث اللّٰه الیهم ابلیس فی جند من الملائکة، وهم هذا الحی الذین یقال لهم الجن، فقتلهم ابلیس ومن معه حتی الحقهم بجزائر البحور واطراف الجبال[۶]

علامہ جلال الدین سیوطی نے حاکم کے حوالے سے حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت نقل کی ہے جس کو بقول سیوطی حاکم نے صحیح قرار دیا ہے کہ " انی جاعل فی الارض خلیفة ....." کی تفسیر میں آپ نے فرمایا کہ جنوں کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ سے دو ہزار سال پہلے پیدا کیا تھا۔ پھر جب انہوں نے زمین میں فساد برپا کیا اور خون ریزی کی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی فوجوں کو بھیجا جنہوں نے انہیں مار بھگایا.... لہٰذا جب اللہ نے فرمایا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں تو فرشتوں نے عرض کیا کہ کیا تو کسی ایسی مخلوق کو خلیفہ بنائے گا جو جنوں کی طرح فساد مچاتی اور خون بہاتی ہو؟ اس پر اللہ نے فرمایا کہ میں وہ بات جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے[۷]

علامہ ابن جریر نے اپنی ایک دوسری روایت میں اس پر اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ :-

"پھر اللہ نے آدم کو پیدا کیا اور اس کو زمین پر بسایا، یہی بات " انی جاعل فی الارض خلیفہ " میں کہی گئی ہے۔ اس قول کے مطابق مطلب یہ ہوا کہ میں زمین میں (آدم کو) جنوں کا جانشین بنانے والا ہوں جو اس میں سکونت اختیار کرے گا اور اس کو آباد کرے گا۔[۸]

اسی طرح علامہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر اور تاریخ میں اس معنی کی ایک سے زیادہ روایتیں نقل کی ہیں کہ تخلیق آدم سے پہلے زمین پر جنات آباد تھے جن کو سرکشی کے جرم میں تہہ تیغ کیا گیا[۹]

۶۔ تفسیر ابن جریر، ۱/ ۱۵۵، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۰۰ھ

۷۔ تفسیر درمنثور از سیوطی، ۱/ ۴۴-۴۵، دارالمعرفہ بیروت

۸۔ تفسیر ابن جریر، ۱/ ۱۵۷، مطبوعہ بیروت

۹۔ ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر ۱/ ۷۰ اور البدایہ والنہایہ ۱/ ۵۵، مطبوعہ بیروت

جنّوں سے پہلے ایک اور مخلوق نیز علامہ ابن کثیر (متوفی ۷۷۴ھ) نے ایک اور چونکا دینے والا انکشاف بھی کیا ہے کہ زمین پر جنوں سے پہلے بھی کوئی مخلوق آباد تھی جس کو "حِنّ" (حاء سے) اور "بِنّ" کہا گیا ہے اور بقول ابن کثیر یہ بہت سے اہل تفسیر علماء کا قول ہے اور اس ما قبل "جنّ" مخلوق کو بھی جنوں نے اپنے دور میں بالکل اسی طرح مار بھگایا تھا جسطرح کہ فرشتوں نے جنوں کو مار بھگایا تھا۔ چنانچہ آپ تحریر کرتے ہیں:۔

"بہت سے علمائے تفسیر نے کہا ہے کہ حضرت آدم سے پہلے جنّوں کی تخلیق کی گئی تھی، اور جنّوں سے پہلے زمین پر حِنّ اور بِنّ رہتے تھے، پھر اللہ نے جنّوں کو حنّوں پر مسلط کر دیا تو انہوں نے حنّوں کو زمین سے مار بھگایا اور ان کا صفایا کر کے اس میں آباد ہو گئے۔"

"قال كثير من علماء التفسير خلقت الجنّ قبل آدم عليه السلام، وكان قبلهم في الارض الحنّ والبنّ فسلط الله الجنّ عليهم، فقتلوهم وأجلوهم عنها وأبادوهم منها وسكنوها بعدهم"[10]

اور لفظ "حِنّ" کے معنی مستند عربی لغات میں اس طرح بیان کئے گئے ہیں:

۱۔ جنّوں کی ایک قسم (حيّ من الجنّ)

۲۔ جنوں اور انسانوں کے درمیان کی ایک مخلوق (خلق بين الجن والانس)

۳۔ کمتر اور کمزور قسم کے جنّ (سفلة الجن وضعفاؤهم)[11]

اور لفظ "بِنّ" سے مراد یہ ہو سکتا ہے کہ وہ غالباً بود و باش اختیار کرنے والی مخلوق تھی کیونکہ "بَنَّ يَبِنُّ بَنًّا" کے معنی قیام کرنے کے آتے ہیں[12]

اس موقع پر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیئے کہ مذکورہ بالا تصریح کے مطابق اگرچہ لفظ "حنّ" کو ما قبل ایک نوع قرار دیا گیا ہے مگر عربی ادب کے استعمال کے مطابق بعض اوقات کسی بھوت پریت کو بھی "جنّ" اور "حنّ" بول دیا جاتا ہے۔ مثلاً ایک شاعر کہتا ہے۔

أَبِيتُ أَهْوِي فِي شَيَاطِينَ تُرِنّ　　　مُخْتَلِفٍ نَجْوَاهُمُ حِنٍّ وَجِنّ[13]

---

[10] البداية والنهاية، ۱/۵۵، مكتبة المعارف بيروت، ۱۴۰۴ھ

[11] لسان العرب: ۱۳/۱۳۲، القاموس المحيط: ۴/۲۱۷، الصحاح: ۵/۲۱۰۶

[12] لسان العرب: ۱۳/۵۹ (بيروت) القاموس المحيط: ۴/۲۰۳ (بيروت)

[13] لسان العرب: ۱۳/۱۳۲

یعنی میں ایسے شیطانوں میں بھاگتے ہوئے رات بسر کرتا ہوں جو حنوں اور جنّوں کی قسم کے ہیں اور وہ اپنی سرگوشیوں میں مختلف قسم کی آوازیں نکالتے ہیں۔

ارتقاء نہیں وحدت خدائی غرض یہ ایک حیرت انگیز انکشاف ہے جو نظریۂ ارتقاء کے مؤیدین کو خاموش کرنے کیلئے ایک قطعی اور مسکت دلیل ہے۔ ظاہر ہے کہ اسلام خود ہی نہ صرف آدم سے پہلے ایک دوسری نوع کا وجود تسلیم کرتا ہے بلکہ صراحتاً یہ بھی کہتا ہے کہ اس ماقبل آدم مخلوق (جنّ) سے پہلے بھی کوئی دوسری قسم کی مخلوق ضرور موجود تھی جس کا درجہ جنّوں سے کم تر تھا۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ خود اسلام کی نظر میں ایسی مخلوقات کا وجود پایا گیا ہے، جو درجہ بدرجہ کمتر اور "ضعیف" رہی ہیں اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی حکمت تخلیق کو ظاہر کرتی ہے کہ وہ اپنی مخلوقات کی تخلیق درجہ بدرجہ تفاوت کے ساتھ کرتا ہے مگر وہ ارتقاء کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ اس میں انسان کے امتحان اور اس کی سبق آوری کے لئے دلائل رکھنا مقصود ہے اور اس سبق آوری کے کئی پہلو ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کثیرالانواع تخلیقات کے ذریعہ دراصل "وحدت تخلیق" اور "وحدت خدائی" کا نظارہ کرایا جائے مگر یہ الگ بحث ہے۔

بہرحال اسلامی روایات کی رُو سے ماقبل آدم کئی قسم کی "شعوری انواع"[۱۴] ...... (INTELLECTUAL SPECIES) پائی گئی ہیں مگر ان کی شکل وصورت یا ساخت و پرداخت کے تعین کے بارے میں کوئی صراحت نہیں ملتی بلکہ بعض روایات میں اتنا اور ملتا ہے کہ جنّات کی کئی قسمیں ہیں، جن میں سے ایک قسم سانپوں وغیرہ کی شکل میں بھی ہوسکتی ہے[۱۵] لہٰذا جدید اثریات کی رُو سے ان انسان نما ڈھانچوں کی جو بھی شکل وصورت متعین ہوجائے، اس سے اسلامی عقائد وتصورات پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ہوسکتا ہے اور بہت ممکن ہے کہ یہ نامکمل ڈھانچے (جو زیادہ تر اجزاء پر مشتمل ہیں اور اب تک کوئی بھی مکمل ڈھانچہ برآمد نہیں ہوسکا ہے جیسا کہ تفصیل آگے آرہی ہے) انہی سابقہ ماقبل آدم مخلوق (جنّات اور حنّات) کے ہوں کیونکہ خدائی تخلیقات اور خصوصاً زمانے کے اعتبار سے قریبی انواع میں بہت زیادہ مشابہتیں پائی جاتی ہیں، جس کی وجہ سے ارتقاپسندوں (EVOLUTIONISTS) کو دھوکا ہوجاتا ہے کہ وہ "ارتقاء" کا نتیجہ ہوں گی کیونکہ بدقسمتی سے ان کے نزدیک ایک خالق یا خدائے برتر ہستی کا وجود ثابت نہیں ہے۔

---

[۱۴] یہ میری اپنی اصطلاح ہے جو میں نے HOMINIDS اور HOMO - SAPIENS وغیرہ قسم کی مادہ پرستانہ اصطلاحوں سے اختیار کی ہے [۱۵] آکام المرجان فی أحکام الجان، از علامہ بدرالدین شبلی ص ۱۷-۱۸، مطبوعہ کراچی

غرض اگر یہ ثابت ہوجائے کہ یہ واقعی موجود انسان سے قطعاً مختلف قسم کی انواع سے تعلق رکھنے والے آثار وباقیات ہیں اور یہ کہ آثار وباقیات بہت زیادہ قدیم ہیں تو اس سے اسلامی عقائد وتعلیمات پر ایک نئی روشنی پڑتی ہے اور قرآن کے اعجاز کا ایک نیا پہلو سامنے آتا ہے۔ چنانچہ اس موقع پر بعض اسلامی تعلیمات اور جدید ترین حقائق کا تقابل کیا جاتا ہے تاکہ اسلامی فلسفۂ حیات کی برتری ثابت ہوسکے۔

اسلام کا امتیاز انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کو اعتراف ہے کہ مغربی مذاہب میں جنوں کا کوئی تذکرہ موجود نہیں ہے جبکہ اسلام میں روحانی مخلوق کی تین قسمیں قرار دی گئی ہیں جو یہ ہیں۔ فرشتے، جن اور شیاطین۔

Ambivelent or neutrel spiritual beings are usually not found in western religions, ... Islam, however, classifies spiritual beings into angels (mala'ika), demons (shayatin) and jins or genies.[16]

ظاہر ہے کہ یہ بات یہودیت ومسیحیت کے نقص کو ظاہر کرنے کے ساتھ ساتھ اسلام کی فضیلت وبرتری کا بھی ایک اعتراف ہے اور اسلام اپنی اسی کاملیت کی بناء پر عصر حاضر کی رہنمائی کرنے کے قابل ہے۔ واضح رہے کہ اسلام میں جنّات کی کئی قسمیں قرار دی گئی ہیں، جن کا تذکرہ قرآن اور حدیث میں ذرا مبہم انداز میں کیا گیا ہے جس میں بہت بڑی حکمت ملحوظ ہے، مگر اس موقع پر ان سب پر تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں ہے[17] مگر اشارتاً اتنا عرض کیا جاسکتا ہے کہ جنّات مختلف اجرام سماوی میں بھی پائے جاسکتے ہیں اور اس موضوع پر میں نے ایک دوسرے موقع پر بحث کی ہے[18] لہٰذا اس موقع پر صرف زمینی جنّات اور وہ بھی صرف ماقبل آدم ہی کا تذکرہ مقصود ہے ورنہ جنّات کی ایک قسم جو شیاطین پر مشتمل ہے وہ آج بھی روئے زمین پر پائی جاتی ہے جو غیر مرئی شکل میں ہے۔

ان مباحث کا ایک اور نتیجہ یہ بھی سامنے آئے گا کہ بعض "روشن فکر" یا متجدد قسم کے اہل علم نے یہ جو جنوں کو انسانوں سے الگ ایک مخلوق ہونے کا انکار کرتے ہوئے ان کو ایک قسم کے "جنگلی انسان" قرار دینے پر اصرار کیا ہے، اس کا ردّ بھی بخوبی ہوجائے گا۔

---

[16] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد اوّل ص ۸۷۴، ۱۹۸۳ء، [17] اس موضوع پر ایک الگ تصنیف زیر تکمیل ہے

[18] ملاحظہ ہو سہ ماہی ندائے فرقان کے دوسرے شمارے میں میرا مقالہ بعنوان "اجرام سماوی کا جغرافیہ، قرآن کی نظر میں"

جنات مکلف تھے

۱۔ پچھلے صفحات میں ایک قرآنی آیت (حجر: ۲۷) کے حوالہ سے بتایا جاچکا ہے کہ جنات کی تخلیق حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے ہوئی تھی، اس کی تفسیر میں بعض روایات میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنات کو حضرت آدمؑ سے دو ہزار سال پہلے پیدا کیا تھا[19]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ فرشتوں کی تخلیق بدھ کے دن، جنوں کی جمعرات کے دن اور آدم کی جمعہ کے دن عمل میں آئی[20] تو ظاہر ہے کہ اس سے ہمارے چوبیس گھنٹے والے مراد نہیں بلکہ ایک لمبی مدت کا اظہار مقصود ہے جب کہ اللہ کے نزدیک بعض قرآنی ایک دن ایک ہزار سال کا (حج ۴۷) بلکہ پچاس ہزار سال کا (معارج ۴) بھی ہو سکتا ہے۔ اس لحاظ سے اس کی صحیح مدت اللہ ہی کو معلوم ہے ہم اس کا تعین کسی بھی طرح نہیں کر سکتے کیونکہ یہ امور غیب میں داخل ہے۔

۲۔ علامہ ابن کثیر تحریر کرتے ہیں کہ جنات، بنی آدم ہی کی طرح کھاتے پیتے اور بچے پیدا کرتے ہیں۔

(وھم کبنی آدم یأکلون و یشربون و یتناسلون[21]

۳۔ نیز موصوف سورہ جن میں مذکور جنوں کے واقعے سے استدلال کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ جنات مؤمن اور کافر دونوں قسم کے ہوتے ہیں[22]

۴۔ نیز وہ مزید تحریر کرتے ہیں کہ مؤمن جنوں کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ جنتی ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ یا یہ کہ اطاعت گزار جن صرف دوزخ کے عذاب سے بچے رہینگے؟ پھر فرماتے ہیں کہ سورۂ رحمٰن میں مذکور حقائق کے مطابق صحیح قول یہ ہے کہ وہ بھی جنت میں داخل ہوں گے[23]

لہٰذا ثابت ہوا کہ ماقبل آدم مخلوق بھی شرعاً مکلف تھی، گویا کہ ان کے لئے بھی اسی طرح ایک نظام شریعت موجود تھا جس طرح کہ انسانوں کے لئے ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ان کی شریعت اور ہماری شریعت میں زمین آسمان کا فرق موجود رہا ہو۔ جنات کے مکلف ہونے خود قرآن مجید بھی دلیل ناطق ہے

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ : اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف میری عبادت کی غرض سے پیدا کیا ہے (ذاریات: ۵۶)

۵۔ علامہ بدر الدین شبلی حنفی (متوفی ۷۶۹ھ) نے جنوں کے بارے میں ایک مفصل کتاب لکھی

---

[19] تفسیر درمنثور از علامہ جلال الدین سیوطی ۱/۵۴، مطبوعہ بیروت [20] تفسیر ابن جریر: ۱/ ۱۵۷

[21] البدایہ والنہایہ، ابن کثیر ۱/ ۵۶ [22] ایضاً

[23] ایضاً : ۱/ ۵۷

ہے جس میں موصوف نے زمخشری کی کتاب "ربیع الابرار" کے حوالے سے حضرت ابوہریرہ رض کی ایک مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چار قسم کی مخلوق پیدا کی ہے جو یہ ہیں : ملائکہ، شیاطین، جن اور انس۔ پھر ان سب کے دس حصے کئے جن میں سے نو ملائکہ پر مشتمل ہیں اور صرف ایک حصہ بقیہ تین اصناف پر مشتمل ہے پھر ان تین اصناف کے بھی دس حصے کئے جن میں سے نو شیطانوں پر اور صرف ایک حصہ جنوں اور انسانوں پر مشتمل ہے پھر جنوں اور انسانوں کے بھی دس حصے کرکے ان میں سے نو حصے جنوں کے لئے اور صرف ایک حصہ انسانوں کے لئے مخصوص کیا۔[24]

اس اعتبار سے گویا کہ جنات انسانوں کے مقابلے میں نوگنا زیادہ ہیں۔ بہرحال اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دیگر انواع کے مقابلے میں انسانوں کی تعداد بہت قلیل ہے۔ واللہ اعلم

جنات کی تخلیق آگ سے ہونے کا مطلب کیا ہے؟ نص قرآنی (قرآن کے واضح بیان) کے مطابق جنوں کی تخلیق آگ سے ہوئی ہے جیسا کہ پچھلے صفحات میں گزر چکا۔ سورۂ حجر کی آیت ۲۷ اور سورہ رحمان کی آیت ۱۵ اس پر روشنی ڈال رہی ہیں اور حدیث شریف میں اس کی وضاحت اس طرح آئی ہے :۔

"عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خلقت الملٰئکۃ من نور وخلق الجان من مارج وخلق آدم مما وصف لکم۔ حضرت عائشہ رض کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ فرشتوں کی تخلیق نور سے، جنوں کی تخلیق شعلے سے اور آدم کی تخلیق اس چیز سے ہوئی ہے جو تم سے بیان کی جاچکی ہے (یعنی مٹی سے)[25]

اس موقع پر ایک اہم سوال ذہن میں یہ پیدا ہوتا ہے کہ اوپر مذکورشدہ مباحث کے مطابق جب جنات کے بارے میں اتنے سارے حقائق ثابت ہو جائیں کہ وہ گوشت پوست والے تھے، ان کی رگوں میں خون دوڑتا تھا، وہ کھاتے پیتے اور شادی بیاہ وغیرہ سب کچھ کرتے تھے تو صاف ظاہر ہے کہ وہ پوری طرح ایک مادی مخلوق تھے جیسے کہ انسان ہیں۔ اگر حقیقت یہ ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ اس مخلوق کو "آگ" سے پیدا کئے جانے کا کیا مطلب ہے؟ کیونکہ اگر وہ مادی مخلوق تھے (اور اس حقیقت کو تسلیم کئے بغیر چارہ کار بھی نہیں ہے) تو پھر ان کا انہی عناصر سے مرکب ہونا لازم آتا ہے جن عناصر سے دنیا کی دیگر مخلوقات مرکب و متشکل ہیں۔ اور جدید تحقیقات کے مطابق دنیا کی تمام چیزیں ۹۲ عناصر کا مجموعہ ہیں، جبکہ ان میں سے بعض کثیر مقدار میں اور بعض قلیل مقدار میں پائی جاتی ہیں مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی

---

[24] آکام المرجان فی احکام الجان، از قاضی بدرالدین شبلی، ص ۱۱، مطبوعہ کراچی۔ [25] صحیح مسلم، کتاب الزھد ۶۰، جلد ۴، صفحہ ۲۲۹۴، مطبوعہ ریاض نیز مسند احمد ۶/۱۶۸ مطبوعہ بیروت [26] تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب اسلام کی نشأۃ ثانیہ قرآن کی نظر میں، ص ۳۰۳-۳۰۴ مطبوعہ مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۸۳ء

مادی چیزیں ان عناصر سے مرکب نہ ہو حتیٰ کہ اجرام سماوی میں بھی یہی عناصر پائے جاتے ہیں [۲۶]

نیز اسی طرح بنص قرآنی دنیا کے تمام جاندار پانی ہی سے پیدا کیے گئے ہیں

" واللّٰہ خلق کل دابۃ من ماء : اللہ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا ہے (نور: ۴۵)

اور دوسری جگہ ارشاد ہے : وجعلنا من الماء کل شیء حی : اور ہم نے ہر جاندار شے پانی ہی سے بنائی ہے (انبیاء : ۳۰)

اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ دنیا بھر کی تمام مخلوقات (باستثنائے ملائکہ، کیونکہ ان کا شمار "دابّہ" سے ایک الگ جنس میں ہوتا ہے جیسا کہ سورۂ نحل کی آیت ۴۹ اس پر روشنی ڈال رہی ہے) پانی ہی سے بنائی گئی ہیں، جن میں جنّات بھی شامل ہیں۔ پانی سے بنانے کا مطلب سائنسی نقطہ نظر سے یہ ہے کہ جدید تحقیقات کے مطابق زندہ اشیاء کے خلیوں (CELLS) میں ستّر فی صد حصہ پانی پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ خدائی کلمات کی وہ صداقت ہے جو عصر جدید میں ظاہر ہو رہی ہے۔

غرض جب جنّات کی تخلیق میں پانی بھی ایک اہم جزو کی حیثیت سے موجود رہا ہے تو پھر ان کے آگ سے پیدا کیے جانے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟ اس سوال پر بندہ سالہا سال سے غور کرتا رہا ہے اور میری ناقص رائے میں اس کا مطلب شاید یہ ہو سکتا ہے کہ جنّات کی سرشت میں غالباً کسی "التہابی عنصر" جیسے ہائیڈروجن یا فاسفورس یا سلفر وغیرہ کی زیادتی پائی جاتی ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جنوں اور انسانوں کے خلیوں (CELLS) کی تشکیل میں بعض اجزاء و عناصر کی کمی بیشی پائی جاتی ہوگی۔ جدید تحقیق کے مطابق موجودہ تمام اشیاء (حیوانات و نباتات) کی مقدار مادہ کا ۹۹ فی صد حصہ حسب ذیل عناصر پر مشتمل ہوتا ہے :-

آکسیجن	۶۲ فی صد	کاربن	۲۰ فی صد
ہائیڈروجن	۱۰ فی صد	نائٹروجن	۳ فی صد
کیلشیم	۲،۵ "	فاسفورس	۱،۱۴ "
کلورین	۰،۱۶ "	سلفر	۰،۱۴ "
پوٹاشیم	۰،۱۱ "	سوڈیم	۰،۱۰ "

نیز ان کے علاوہ میگنیشیم، لوہا، مینگنیز، تانبا، زنک، بورون، مولبڈینم، ایوڈین اور کوبالٹ بھی قلیل مقدار میں پائے جاتے ہیں (جو) حیوانی اور نباتاتی زندگی کے لئے ضروری مادے شمار کئے جاتے ہیں [۲۷]

---

[۲۷] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا : ۴/ ۱۱۷، ۱۹۸۳ء

واضح رہے کہ ان عناصر کا تناسب تمام حیوانی اور نباتاتی خلیوں (CELLS) میں ہمیشہ یکساں نہیں ہوتا بلکہ مختلف انواع (SPECIES) میں مختلف مقدار میں ہوتا ہے اور انہی اختلافات کے باعث انواع کی نوعی خصوصیات مختلف ہوتی ہیں۔ لہٰذا اغلب یہ ہے کہ انسانوں اور جنوں میں بھی یہ تناسب مختلف ہوگا اور غالباً اسی اختلاف عناصر کے اظہار کے لئے انسانوں کو خاکی اور جنوں کو ماری مخلوق کہا گیا ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ انسانوں کی تخلیق مٹی سے ہونے کے باوجود انسان مٹی نہیں ہے بلکہ عناصر سے مرکب گوشت پوست کا مجموعہ ہے، اسی طرح جنات آگ سے پیدا کئے جانے کے باوجود حقیقتاً آگ کا مجموعہ نہیں ہو سکتے جیسا کہ علامہ بدرالدین شبلی نے جنات کے بارے میں اپنی قابل قدر تصنیف میں استدلال کیا ہے[۳۵]۔ لہٰذا ہو سکتا ہے اور بہت ممکن ہے کہ جنات کی تخلیق میں آگ پکڑنے والے کسی عنصر یا آتشگیر عناصر کی زیادتی رہی ہو جیسے ہائیڈروجن، کاربن، فاسفورس اور سلفر وغیرہ۔ واللہ اعلم بمرادہ

سلفر ایک جلنے والا عنصر ہے جس سے دیاسلائی وغیرہ بنائی جاتی ہے۔ فاسفورس ایک انتہائی آتش پذیر مادہ جو کھلی ہوا میں رکھے جانے پر فوراً خود بخود بھڑک اٹھتا ہے، اسی طرح ہائیڈروجن اور کاربن بھی جلنے والے عناصر ہیں۔

مگر یہ بھی واضح رہے کہ فاسفورس اور سلفر دونوں ہائیڈروجن اور کاربن کے مقابلے میں کمیاب عناصر ہیں جبکہ کارخانۂ قدرت میں آخرالذکر دو عناصر کی زیادتی پائی جاتی ہے مگر ان دونوں میں بھی فرق یہ ہے کہ ہائیڈروجن عنصر جب تک وہ مفرد رہتا ہے گیس کی شکل میں ہونے کی وجہ سے وہ آتش پذیر مادہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے مگر اس کے برعکس دیگر عناصر سے تعامل کے بعد اس کی یہ صلاحیت ختم ہو جاتی ہے مثلاً وہ آکسیجن سے کیمیاوی تعامل کے بعد پانی بن جاتا ہے جو بجائے جلنے کے بجھانے والی چیز بن چکی ہے اب رہا کاربن تو یہ دنیا کی بہت سی چیزوں میں پایا جاتا ہے اور چیزیں اسی عنصر کی موجودگی کے باعث آسانی سے جلنے لگتی ہیں اور کسی چیز میں اس عنصر کی موجودگی کا مطلب یہ ہے کہ "آگ" اس چیز میں گویا کہ بالقوہ (POTENTIALLY) موجود ہے۔ یہ تو صاف ظاہر ہے کہ آگ بجائے خود کوئی عنصر نہیں (جیسا کہ یونانی حکماء کا غلط نظریہ تھا) بلکہ وہ مختلف اشیاء میں بالقوۃ (امکانی طور پر) موجود رہتی ہے، جو محض کاربن کی وجہ سے ہے، نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ کاربن ہی کا دوسرا نام آگ ہو سکتا ہے۔

کاربن اگرچہ قشر ارض (زمین کی بالائی پرت) میں صرف ۰.۶۲ فی صد ہی پایا جاتا ہے مگر یہی وہ عنصر ہے جو دیگر عناصر کی بہ نسبت زیادہ سے زیادہ مرکبات کی تشکیل کرتا ہے اور چونکہ تمام

تمام نامیاتی مرکبات (ORGANIC COMPOUNDS) میں کاربن ایک اہم ترین جزو کی حیثیت سے موجود رہتا ہے اس لئے جملہ حیوانات و نباتات کی تشکیل میں یہ عنصر لازمی طور پر پایا جاتا ہے، لہذا "زندہ اشیاء" کو کاربنی مرکبات (ORGANIC COMPOUNDS) بھی کہا جاتا ہے۔

حاصل یہ کہ پانی اور کاربن تمام "زندہ اشیاء" کے لازمی اجزاء ہیں جن سے یہ کارخانۂ ربوبیت متشکل ہوا ہے لہذا یہ ہو سکتا ہے کہ جنوں کی تخلیق و تشکیل میں ان اجزاء کے تناسب میں تفاوت پایا جاتا ہو اب نہیں معلوم کہ قبل ما آدم مخلوق میں ان اجزاء و عناصر کا تناسب کیا تھا؟ ہو سکتا ہے کہ زمین کی کھدائی سے دریافت شدہ قدیم ڈھانچوں کے کیمیاوی تحلیل و تجزیہ سے اس موضوع پر کوئی روشنی پڑ سکے اب اس نقطۂ نظر سے بھی تحقیق کی ضرورت ہے۔

نیز اس موقع پر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیئے کہ قرآن حکیم میں اس موقع پر مجرد آگ نہیں کہا گیا ہے بلکہ "من مارج من نار" (آگ کے شعلے سے) اور دوسری جگہ من نار السموم (گرم ہوا کی آگ سے) کہا گیا ہے اور اس کا مطلب اب تک پوری طرح منکشف نہیں ہو سکا ہے۔ لہذا ہو سکتا ہے کہ زمانہ مستقبل میں اس موضوع پر بھی کچھ روشنی پڑ سکے۔ اس لحاظ سے اس قسم کی "آیات" "متشابہات اضافی" ہو سکتی ہیں۔ یعنی ایسی متشابہات جن کی حقیقت زمانۂ مستقبل میں کھلنے کی امید ہو۔

متشابہات اضافی اس موقع پر امام راغب اصفہانی نے متشابہات کی جو تقسیم و تشریح کی ہے وہ پیش نظر رہنی چاہیئے جو بڑی فکر انگیز ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ قرآنی آیات کی تین قسمیں ہیں:-

۱۔ محکم علی الاطلاق ۲۔ متشابہ علی الاطلاق ۳۔ یک حیثیت سے محکم اور دوسری حیثیت سے متشابہ

پھر وہ مزید فرماتے ہیں کہ تمام متشابہات کو پھر تین قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ وہ متشابہات جن کی حقیقت سے واقفیت کا کوئی ذریعہ نہیں ہے اور اس کو سوائے خدائے تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا) مثلاً قیامت کا وقت اور دابۃ الارض کا خروج وغیرہ

۲۔ وہ متشابہات جن سے انسان کی واقفیت ممکن ہے مثلاً غریب الفاظ اور مغلق احکام کی شرح و تفسیر وغیرہ۔

۳۔ وہ متشابہات جو ان دونوں کے درمیان گردش کرنے والی ہوں اور ان کی حقیقت بعض علمائے راسخین پر واضح اور دوسروں کے لئے مخفی ہو سکتی ہے۔[۳۰] (جاری ہے)

۳۰۔ المفردات فی غریب القرآن ص ۲۵۴ دار المعرفۃ بیروت

از جناب لطف الرحمٰن فاروقی

بنگلہ زبان میں قرآن پاک کے تراجم و تفاسیر

بنگلہ ایک جدید زبان ہے جو اس وقت دس کروڑ آبادی پر مشتمل ریاست بنگلہ دیش کی قومی زبان ہے۔ اس کے علاوہ مشرقی بنگال، آسام، تری پورہ اور ارکان میں بھی بولی جاتی ہے۔ بولنے والوں کے اعتبار سے اس زبان کو دنیا کی چھٹی بڑی زبان کی حیثیت حاصل ہے۔ اس وقت دنیا میں مروج شاید ہی کوئی ایسا نظریہ اور فلسفہ موجود ہو جو ترجمہ ہو کر اس زبان میں شائع نہ ہوا ہو، خاص کر بنگلہ دیش اور مشرقی بنگال کے جدید و قدیم ہندو و مسلمان دانشور طبقے نے مختلف علوم کو اس زبان میں منتقل کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔

چونکہ مسلمان علماء اپنے علمی کام اپنی مادری زبان کو چھوڑ کر عربی یا فارسی اور بعد میں اردو میں انجام دیتے رہے اس لئے اسلامی علوم کے اعتبار سے یہ زبان بہت پیچھے رہی یہاں تک کہ دنیا کی دوسری بڑی مسلم ریاست بنگلہ دیش میں قرآن کریم کا ترجمہ بھی اس زبان میں نہ ہو سکا۔ البتہ ایسا بھی نہیں ہے کہ کچھ نہیں ہوا ہے مگر کلام مجید کی بنگلہ ترجمہ اور تفسیر کرنے والوں میں بھی علماء دین بہت پیچھے رہے اس کے علاوہ جو ترجمہ یا تفسیر پیش کی گئی ہے وہ بھی زبان کے اعتبار سے اتنی معیاری نہیں ہے کہ جدید تعلیم یافتہ طبقے کو مطمئن کر سکیں یا ان کی ضروریات پورے کر سکے۔ اس لئے مختلف لوگوں کو اس عظیم کتاب کو بنگلہ زبان میں منتقل کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر مجیب الرحمٰن کے مطابق ہندو، مسلم اور عیسائی قرآن مجید کی مکمل اور نامکمل جو تفاسیر کی ہیں، ان کی کل تعداد تقریباً تین سو ہے مگر ان میں سے چند ایسی ہیں جو لوگوں کو معلوم ہیں باقی یا تو شائع ہی نہیں ہوئیں ہیں یا پھر ایک مرتبہ شائع ہونے کے بعد اب دستیاب نہیں اس مضمون میں ایک سرسری جائزہ پیش کریں گے جس سے اندازہ ہو جائے کہ بنگلہ زبان میں قرآن مجید کی کیا خدمت کی گئی ہے۔

(۱) معلوم ہوتا ہے کہ بنگالی علماء میں سے ٹنگائیل کے مولوی نعیم الدین نے سب سے پہلے قرآن مجید

کی تفسیر لکھنی شروع کی تھی مگر یہ بات معلوم نہیں ہو سکی کہ وہ یہ کام مکمل کر سکے یا نہیں۔

(۲) جلپائی گوڑی کے زمیندار خان بہادر مولوی عبدالرحیم کے مالی تعاون سے مولوی نعیم الدین صاحب "بنگانو بادیت قرآن شریف" نام سے پہلے دس پاروں کی تفسیر کی تھی۔ مولوی نعیم الدین کے انتقال کے بعد ان کے دو بیٹے قاسم الدین اور فخر الدین احمد نے ان کا کام مکمل کرنے میں آگے بڑھے جو ۱۹۰۹ء میں اسلامیہ پریس کلکتہ سے شائع ہوا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ٹنگائیل کے مولوی نعیم الدین ۱۹۰۸ء میں انتقال کر چکے تھے جب کہ مذکورہ نعیم الدین صرف دس پاروں کی تفسیر مکمل کر سکے تھے۔ اگر دونوں نعیم الدین ایک ہی فرد ہیں تو اول الذکر نعیم الدین صرف دس پارہ تک ہی تفسیر مکمل کر سکے تھے۔

(۳) رنگ پور کے امیر الدین لبسونہ نے قرآن پاک کا منظوم ترجمہ کیا تھا جو نامکمل تھا۔ البتہ قیاس کیا جاتا ہے کہ یہی قرآن پاک کا پہلا بنگلہ ترجمہ ہے۔

(۴) نرسندھی، ڈھاکہ کے رہنے والا دیوان مارھب رائے سین کا بیٹا بھائی گریش چندر سین نامی ایک ہندو نے قرآن پاک کا مکمل بنگلہ ترجمہ کیا جو قدیم ترین بنگلہ ترجمہ تصور کیا جاتا ہے۔

(۵) بنگالی مسلمانوں میں سب سے پہلے چوبیس فرغنہ کے رہنے والے مولوی عباس علی ہی نے قرآن پاک کا مکمل ترجمہ کیا تھا۔

(۶) مولوی بازار کے رہنے والا غلام مصطفی چودھری بنگلہ، اردو، فارسی، انگریزی اور منی پوری زبان میں عم پارہ کا ترجمہ کر کے تفسیر آفتابی کے نام سے شائع کیا تھا۔

(۷) ہریسال کے منشی فضل الکریم چوہدری نے قرآن پاک کا مکمل ترجمہ کر کے عربی متن کے ساتھ شائع کیا تھا۔

(۸) مولوی نقیب الدین صاحب نے بھی حاشیہ کے ساتھ قرآن مجید کا مکمل ترجمہ کیا تھا۔

(۹) مولانا اکرام خان نے قرآن مجید کا مکمل ترجمہ اور تفسیر لکھی تھی، چونکہ وہ معجزوں پر یقین نہیں رکھتے تھے اس لئے وہ معجزاتی آیات کی مادی تفسیر پیش کی تھی جس پر علماء معترض ہیں۔

(۱۰) مولانا نور محمد، مولانا ظہور الحق، مولانا قاضی عبدالشہید اور مولانا عبدالجلیل وغیرہ مشترکہ طور پر مولانا اشرف علی تھانوی کی تفسیر بیان القرآن ترجمہ کر کے تفسیر اشرفی کے نام سے شائع کی ہے۔ یہ بنگلہ زبان میں قرآن کریم کی بہت بڑی خدمت ہے۔

(۱۱) مغربی بنگال کے مولوی عثمان غنی پیتر قرآن کے نام سے کلام پاک کا مکمل بنگلہ ترجمہ شائع کیا ہے۔

(۱۲) ٹنگائیل کے رہنے والا مولوی ابوالفضل عبدالکریم نے قرآن پاک کا مکمل بنگلہ ترجمہ شائع کیا۔
(۱۳) جھپائی گوڑی کے رہنے والا خان بہادر مولوی تسلیم الدین نے تین جلدوں میں کلام مجید کا مکمل ترجمہ کیا ہے۔
(۱۴) مولانا عبدالحکیم اور مولانا علی احسن بنگلہ انوباء قرآن شریف کے نام سے ایک مشترکہ ترجمہ اور مختصر تفسیر شائع کی ہے۔
(۱۵) خان بہادر عبدالرحمن خان نے مکمل قرآن پاک کا ایک بنگلہ ترجمہ تحریر کیا ہے۔
(۱۶) مولانا شمس الحق صاحب نے سورہ یٰسین، سورہ الرحمن، سورہ واقعہ وغیرہ پر مشتمل چند سورتوں کے بنگلہ ترجمہ اور تفسیر شائع کی تھی، اس کے علاوہ تفسیر حقانی کے نام سے عم پارہ کی تفسیر بھی شائع کی تھی۔
(۱۷) مشہور دانشور ڈاکٹر محمد شہید اللہ نے قرآن پاک کا مکمل ترجمہ کیا ہے۔ بعد میں تفسیر کے کام کا بھی آغاز کیا تھا مگر شائع نہیں کرسکے۔
(۱۸) مغربی بنگال کے مولانا عبدالواسق نے بھی قرآن پاک کا ایک مکمل بنگلہ ترجمہ شائع کیا تھا۔
(۱۹) مشہور سائنسدان ڈاکٹر قدرت خدا نے بھی قرآن پاک کے شروع کے پانچ پاروں کا ترجمہ کیا ہے۔ ترجمے میں انہوں نے آیت کریمہ کی سائنسی تشریح پیش کی ہے، جگہ جگہ نظریہ ڈاردن کے ساتھ مماثلت پیش کرنے کی کوشش کی گئی۔
(۲۰) مشہور دانشور مولانا عبدالرحیم نے بھی مولانا مودودی کی تفہیم القرآن کا مکمل ترجمہ کیا ہے ترجمہ قرآن مجید کے نام سے الگ ترجمہ بھی شائع ہوا۔
(۲۱) فلپ بشواش نامی ایک عیسائی نے بھی عیسائی مذہب کی حقیقت کے ثبوت کے طور پر قرآن پاک کی کچھ آیات ترجمہ کی ہیں جس میں قابل اعتراض باتیں شامل ہیں۔
(۲۲) مولوی محمد تیمور نے قرآن پردکاشیکا نام سے عم پارہ کا بنگلہ ترجمہ کیا ہے۔
(۲۳) مشہور شاعر قاضی نذرالاسلام نے بھی عم پارہ کا منظوم ترجمہ کیا تھا جو کافی مقبول ہوا۔
(۲۴) چاٹگام کے مولانا عبدالرشید صدیقی نے بھی "مہا قرآن کابو" کے نام سے عم پارہ کا بنگلہ ترجمہ شائع کیا ہے۔
(۲۵) مولوی یار احمد نے بھی عم پارہ کا ایک بنگلہ ترجمہ کیا ہے۔
(۲۶) مولوی ابوبکر صدیقی صاحب نے بھی عم پارہ کا ترجمہ کیا ہے۔

(۲۷) کرن گوپال شنگ نامی ایک ہندو نے بھی عم پارہ کا منظوم ترجمہ کیا ہے۔

(۲۸) راج شاہی کے مولوی عبدالحمید نے بھی عم پارہ کا بنگلہ ترجمہ شائع کیا ہے۔

(۲۹) مغربی بنگال کے مولانا روح الامین نے بھی قرآن پاک کا ابتدائی تین پارے اور آخری پارہ کا بنگلہ ترجمہ اور تفسیر تحریر کی ہے۔

(۳۰) مشہور عالم مولوی منور علی نے بھی سلہٹ سے عم پارہ کا ایک بنگلہ ترجمہ شائع کیا ہے۔

(۳۱) بریسال کے میر فضل علی قرآن پاک کی کچھ سورتوں اور آیات کے منظوم ترجمے کئے تھے۔

(۳۲) ریوا ولیم گولڈسک نامی ایک انگریز نے بھی قرآن پاک کا مکمل بنگلہ ترجمہ کیا ہے مگر اس میں کافی قابل اعتراض باتیں ہیں۔

(۳۳) مشہور اردو تفسیر معارف القرآن کا بنگلہ ترجمہ مولانا محی الدین خان نے کیا ہے

(۳۴) حکیم عبدالمنان نے بنگلہ ترجمہ قرآن شریف کے نام سے قرآن مجید کا مکمل ترجمہ کیا ہے۔

(۳۵) الحاج محمد پیار علی نظیر نے بھی عربی متن کے بغیر مکمل قرآن پاک کا ترجمہ کیا ہے جس کا پہلا ایڈیشن ۱۳۹۵ ھ میں شائع ہوا ہے۔

(۳۶) مولانا مظہر الدین، شاہ منور نے قرآن شریف کے نام سے قرآن مجید کا مکمل ترجمہ کیا ہے۔

(۳۷) ڈاکٹر محمد مجیب الرحمن، حافظ امام الدین ابن کثیر کی تصنیف تفسیر ابن کثیر بھی ایک ایک جز کرکے ترجمہ کر رہے ہیں جو حال ہی میں شائع ہو رہا ہے۔

(۳۸) کلکتہ مدرسہ عالیہ کی شعبہ حدیث اور تفسیر کا بنیر انستاذ مولانا محمد طاہر نے "القرآن ترجمہ و تفسیر" کے نام سے مکمل قرآن مجید کی ایک تفسیر تصنیف کی ہے جو ۱۹۷۲ء میں مدنی مشن ۲۱ نمبر کلین سٹریٹ سے شائع ہوئی ہے۔

(۳۹) مولانا امین السلام نے قرآن پاک کا شروع کے چند پارے ترجمہ کئے ہیں جو ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا۔ اس کے علاوہ تفسیر نور القرآن کے نام سے تفسیر لکھ رہے ہیں جس کے شروع کے دو جز شائع ہو چکے ہیں۔

(۴۰) ساٹھ کے عشرے میں مولانا ابوالکلام آزاد کی تصنیف ام القرآن کا ترجمہ بھی شائع ہوا تھا جو بنگلہ اکیڈمی نے شائع کیا تھا اور اب اسلامک فاؤنڈیشن نے بھی شائع کیا ہے۔

(۴۱) کلکتہ کے رہنے والے بیتھی شاعر غلام اکبر علی نے عم پارہ کا بنگلہ ترجمہ کیا ہے جو ۱۸۶۸ء میں شائع ہوا ہے۔ مولانا محمد طاہر کے مطابق قرآن مجید کا قدیم ترین بنگلہ ترجمہ ہے۔

(۴۲) مشہور دانشور قاضی عبدالودود نے بھی قرآن پاک کا بنگلہ ترجمہ کیا ہے مگر اس میں بے شمار غلطیاں موجود ہیں۔ مولانا محمد طاہر کے مطابق تفسیر بالرائے کی یہ ایک مذموم کوشش کی ہے۔

(۴۳) فرید پور کے مولوی عبدالباری ہے۔ اسے نے بھی اصل عربی چھوڑ کر قرآن پاک کا منظوم قرآن پاک کے نام سے بنگلہ ترجمہ کیا ہے جس کے پہلے دس جز ۱۳۷۶ھ بنگلہ میں شائع ہوئے ہیں۔

(۴۴) مولانا علی الدین الاظہری نے تفسیر الاظہری کے نام سے قرآن مجید کی تفسیر کی ہے جس کا کچھ حصہ شائع ہو چکا ہے۔

(۴۵) مولانا عبدالرحمن کشگری، ڈاکٹر قاضی دین محمد، مولانا فضل الکریم پروفیسر شاہد علی، علی الدین الاظہری وغیرہ مل کر ۱۳ اسلامی مفکرین نے "القرآن الکریم" نام سے قرآن مجید کا ترجمہ لکھا تھا جو بنگلہ ۱۳۷۴ھ میں بنگلہ اکیڈمی نے شائع کیا ہے، بعد ازاں اسلامک فاؤنڈیشن نے بے شمار غلطیوں کی اصلاح کے بعد دوبارہ شائع کیا ہے، دوسرے ایڈیشن کے مولفین میں، مولانا قاضی معتصم باللہ، الف جیم سیم شمس العالم، مولانا فریدالدین مسعود اور مولانا عبدالحق سمیت کل ۲۰ اسلامی مفکرین شامل ہیں۔

(۴۶) دیناجپور کے مولوی نورالامین نے بھی متری بھاشائے عم پارہ کے نام سے عم پارہ کا بنگلہ ترجمہ کیا ہے۔

(۴۷) جناب حفیظ الحق صاحب نے بھی بنگلہ عم سپارہ کے نام سے عم پارہ کا بنگلہ ترجمہ کیا ہے۔

(۴۸) میزان الرحمن نے بھی عم پارہ اور پنج سورہ (یسین، الرحمن، واقعہ، ملک، مزمل) کا بنگلہ ترجمہ کیا ہے۔

(۴۹) علی الدین احمد نے بھی تفسیر الحقانی کا ترجمہ کیا ہے۔

حوالہ:

۱)۔ ڈاکٹر مجیب الرحمن — بنگلہ بھاشائے قرآن چرچا (بنگلہ، ڈھاکہ ـ ۱۹۸۶ء) اسلامک فاؤنڈیشن

۲)۔ پروفیسر عبدالرزاق — قرآنیر ترجمہ تفسیر بھیبھنو بھاشائے (بنگلہ) سیرت شرنیکا ڈھاکہ شہر سیرت النبی کمیٹی ڈھاکہ ۱۹۷۶ء

۳) ذوالفقار احمد قسمتی — بنگلہ با [illegible] تراجم و تفاسیر قرآن نمبر جلد دوم سیارہ ڈائجسٹ ([illegible])

۴) بدرالعالم رنگ پوری — بنگلہ بھاشائے پاک قرآنیر انوباد و تفسیر (بنگلہ) ماشیک مدینہ ڈھاکہ ـ فروری ـ ۱۹۹۰ء۔

دفتر ہو، یا فیکٹری
دوکان ہو، یا گھر
شیشہ
خواجہ کا
KGI
خواجہ گلاس انڈسٹریز لمیٹڈ
شاہراہ پاکستان ——— حسن ابدال
فیکٹری آفس: ۱۰۰۔ بارسلے اسٹریٹ، صدر راولپنڈی
رجسٹرڈ آفس: ۳۔ ایبٹ روڈ، لاہور
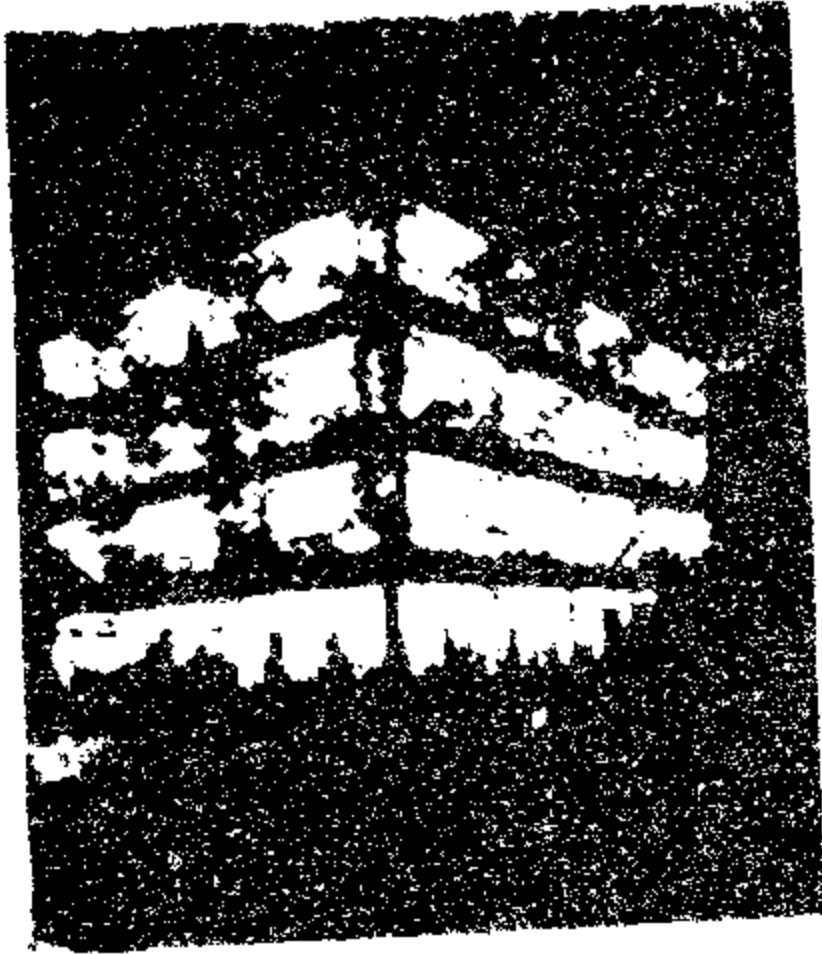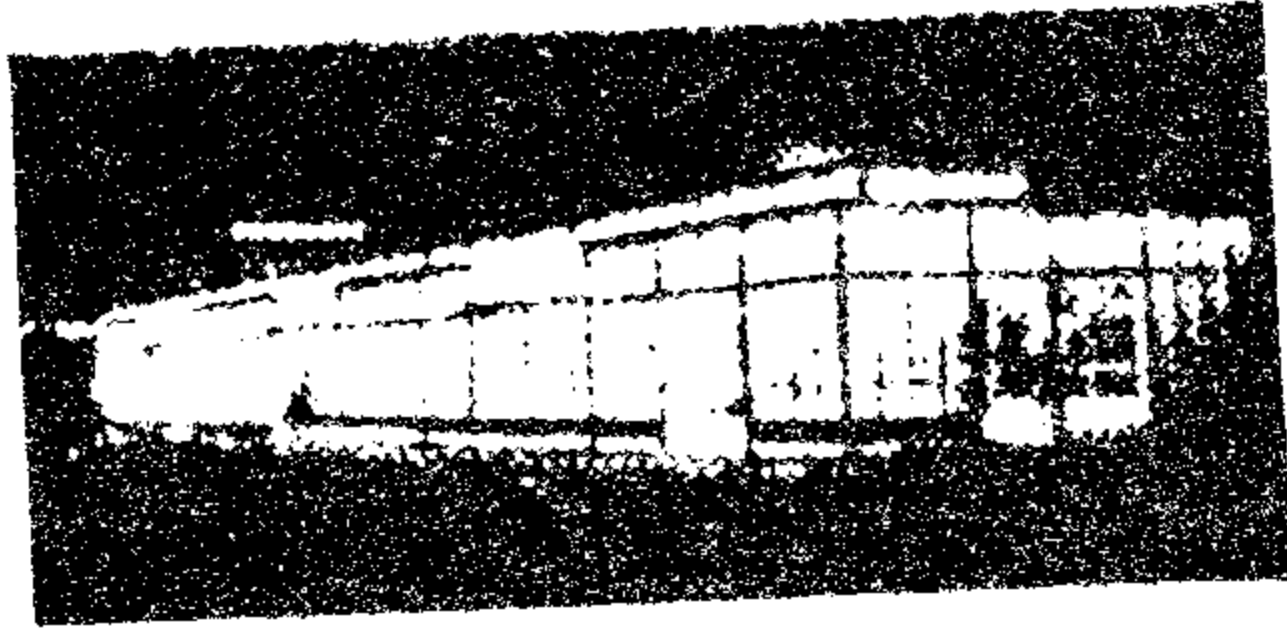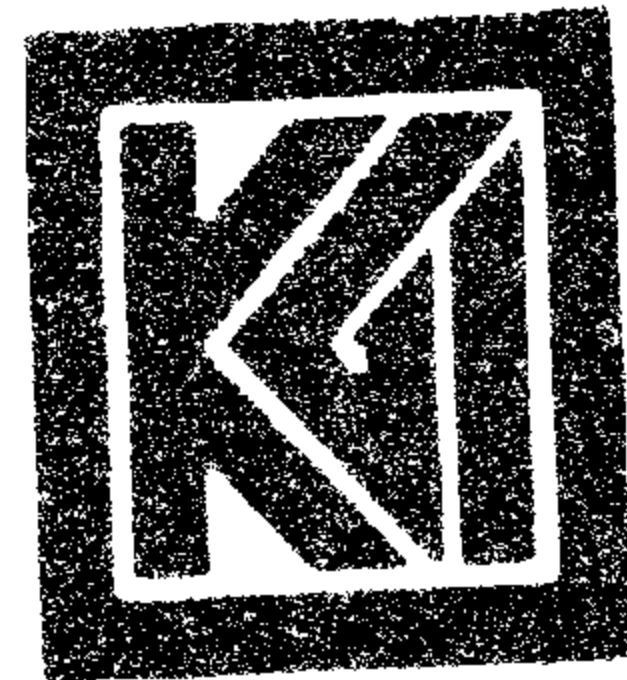
پی این ایس سی کے لئے
قومی پرچم بردار جہازراں ادارہ
ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟

اب جبکہ پی این ایس سی کے جہاز دنیا کے تمام بڑے بندرگاہوں میں پاکستان کی نمائندگی کرتے ہیں ہم اپنی کارکردگی میں کوئی کسر نہیں چھوڑ سکتے۔ ہمیں اپنے تمام تر وسائل اور صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر قوم کو بہتر سے بہتر خدمت فراہم کرنا ہے۔

اس مقصد کے حصول کیلئے ہم پوری لگن کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ قومی پرچم بردار جہازراں ادارہ ہونے کے اعزاز نے ہمیں ایک ایسا ولولہ بخشا ہے جس نے قوم کی طرف سے عائد کی ہوئی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں ہمیں کامیاب کیا ہے۔

قومی پرچم بردار جہازراں ادارہ
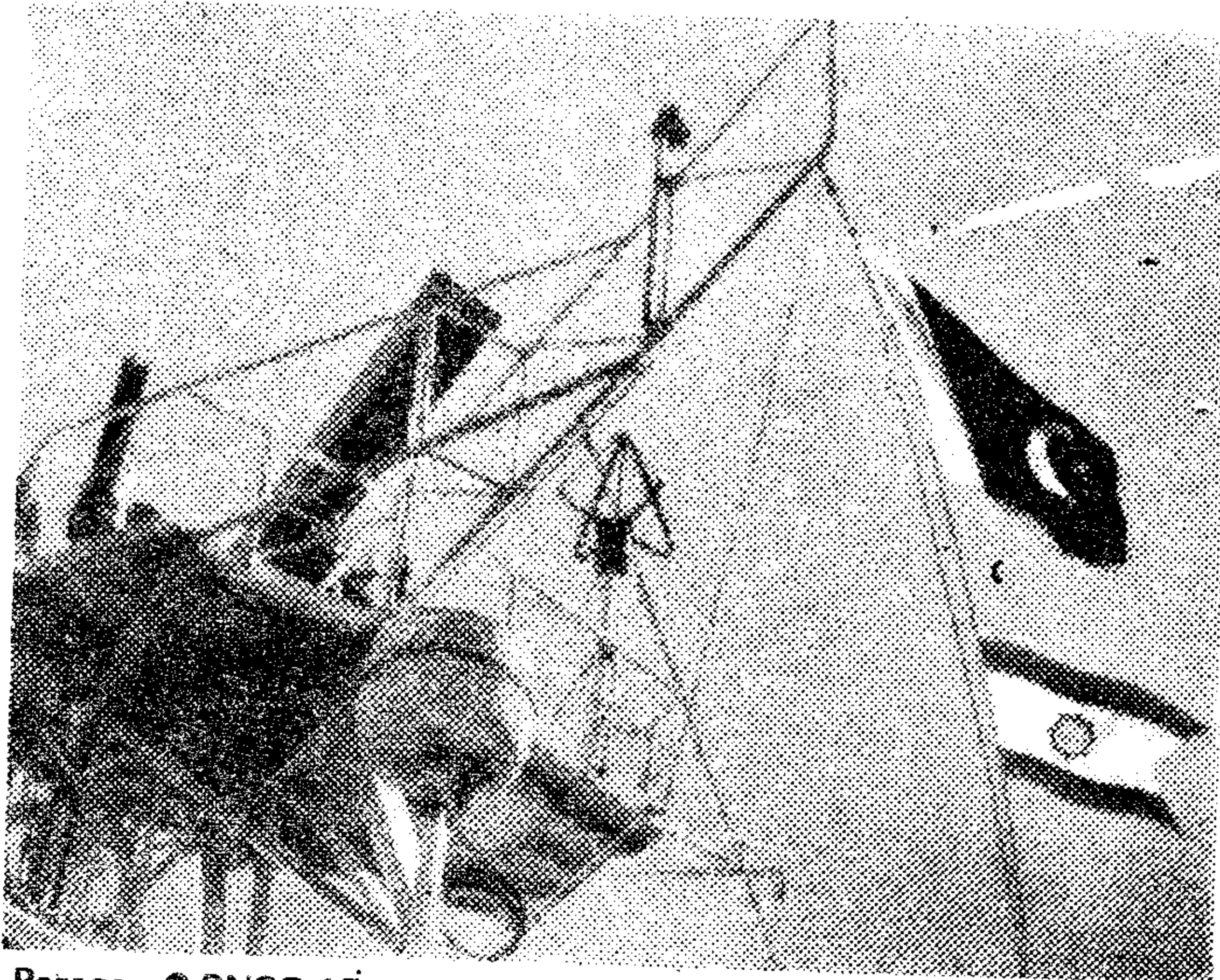
Paragon ● PNSC-15

(PID Islamabad)

مولانا عبدالقیوم حقانی
فاضل و مدرس دارالعلوم حقانیہ

قسط ۹

علامہ سمعانی سے ملاقات

حلوائیوں کا کام کرنے والے ارباب علم وفضل

(امام حلوائیؒ، امام بزدویؒ اور امام سرخسیؒ)

۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۷ھ سے دارالعلوم کے ششماہی امتحانات کا اعلان ہو چکا تھا اسباق امتحان کی تاریخ سے ایک دو روز قبل بند کر دئیے گئے تھے۔ طلبہ امتحان کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ چونکہ اس سال سہ ماہی امتحان کی طرح ششماہی امتحانات میں بھی اول، دوم اور سوم آنے والے طلبہ کے لئے معقول انعام کا اعلان ہوا تھا اس لئے اب کی بار طلبہ میں مسابقت اور مطالعہ و تکرار کا رجحان ہمیشہ کی نسبت سے زیادہ تھا۔ علم سے نسبت، اساتذہ علم کی صحبت کی برکتوں سے مجھے بھی دارالعلوم میں طلبہ کی محنت، تکرار اور مطالعہ کے مناظر سے طبعی سرور اور مسرت حاصل ہوتی تھی۔ یہ روح پرور مناظر دیکھ دیکھ کر اپنے زمانۂ طالب علمی، غفلت، کسل اور تضییع اوقات پر ندامت اور وقت کی قدر و قیمت واہمیت کا احساس ہوتا رہا۔ اپنے اساتذہ، اکابر شیوخ و ائمہ، بزرگانِ دین اور محدثین کے زمانۂ طالب علمی کے عبرت انگیز واقعات، تحصیل علم کا ذوق، شب بیداری اور مطالعہ کا شوق، ارباب علم وفضل کی علمی زندگی کے مؤثر حالات، گویا تاریخ کا ورق بن کر نگاہوں کے سامنے آگئے۔

یہ تحصیل علم میں اخلاص اور زمانۂ طالب علمی میں جذبۂ عمل ہی کی برکتیں تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مقبولیت تامہ عوام اور خواص کے قلوب میں ڈال دی تھی۔ بعض کو قطبیت کبریٰ اور ولایت عظمیٰ کا مقام عطا فرمایا۔ بعض کی زبان فیض رساں سے حکمت اور علم و دانائی کے چشمے جاری فرمائے بعض کو عالم ملکوت سے عالم دنیا تک کمال و جلال کا شہرہ عطا فرمایا۔

بعض کے ذریعہ علاماتِ قدرت و امارات، دلائل خصوصیت اور براہین و کرامت کا اظہار فرمایا بعض کو عظمت و ہیبت، قطبیتِ وقت، روحِ معرفت، قلب حقیقت، وراثت کتاب، نیابت رسول اور سلطانِ طریق ہونے کے عظیم مراتب و مقامات پر پہنچایا۔ ایسوں کی شان اور رتبہ و مقام، اللہ اللہ کون ہے جسے ان کے جلوۂ جہاں آرائی پر تبصرہ و تعارف کی تاب ہو سکے

آں مرد کامل کہ بعرفان و عشقِ حق — دروقت خویش مثل خود اندر جہاں نداشت
آں حجتِ خدا کہ بہر جا قدم نہاد — باطل بصد خجالت و ذلت ازاں شتافت
مردانِ راہ گرد ازاں جا نیافتند — آں جا کہ اسپ فضل و کمالش دوید و تاخت

اس حسین تصور نے مجھے کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا۔ جیسے جیسے مناظر سامنے آتے رہے دل میں ان ہی کی عکس جمال کی کیفیات بھی اترتی گئیں۔ جس کی وجہ سے اب یہ یقین پختہ ہوگیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دین کو ہر دور میں ایسے زندہ و جاوید، علم پرور اور علم گستر اشخاص عطا فرمانے کا ذمہ لے رکھا ہے۔ جو اسلامی و قرآنی اور علمی و روحانی تعلیمات کو زندگی میں منتقل کرتے رہیں گے۔ اور مجموعاً یا انفراداً اس دین کو تازہ اور اس امت کو سرگرم عمل رکھیں گے اس لحاظ سے امت محمدیہ تاریخ عالم میں جیسی مردم خیز ثابت ہوئی ہے دنیا کی دیگر قوموں اور امتوں میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔

اسی تصور نے اکابر اہل علم اور ارباب فضل و کمال کی مختلف صورتیں دکھائیں۔

الانساب کے مصنف علامہ سمعانی کی خدمت میں آٹھ مرتبہ کی حاضریوں سے جن عظیم شخصیات اور بزرگوں سے ملاقات و تعارف ہوچکا تھا۔ سب کا اجمالی تصور نگاہوں کے سامنے ابھر ابھر کر آرہا تھا۔ اور ابھی پیاس بھی نہیں بجھی تھی اور یہ کب بجھنے کی تھی ؎

ہست دریائے محبت بے کنار
لاجرم یک تشنگی شد صد ہزار

اللہ اللہ! یہ افراد، دماغی، علمی، اخلاقی اور روحانی اعتبار سے اپنے زمانے کے کتنے ممتاز ترین افراد تھے۔ کتنی طاقت ور اور دلاویز شخصیتوں کے مالک تھے۔ یہی تو وہی ہستیاں ہیں جنہیں رسولؐ کے نائبین، امت کے مجددین و مصلحین کے القاب سے شہرت حاصل ہے۔ یہی وہ مبارک شخصیتیں ہیں جنہوں نے اپنے یقین، سچی روحانیت اور قربانیوں سے دین اسلام کے پیروؤں میں نئی روح اور نئی زندگی پیدا کردی تھی۔

ایسے حسین تصور اور مبارک خیال سے قلب مضبوط ہوا۔ ہمت کو بلندی ملی تو سیدھی ایمچ سے کر اپنے محبوب مصنف "الانساب" کے عظیم مؤرخ حضرت العلامہ عبدالکریم سمعانی کی مجلس روحانی میں پہنچ گیا۔ جدھر سے بھی کوئی علمی خیال آیا اہل علم کی یادیں اور ارباب فضل کے کمالات متصور ہوئے تو عالم تصور کے ایسے مناظر میں علامہ سمعانی ہمیشہ صدر نشین اور میر مجلس ہی نظر آئے ؎

بیاض دل میں فقط ایک نام چھوڑ گیا
وہ عمر بھر کے لئے کتنا کام چھوڑ گیا

اہل فضل اور ارباب علم و کمال کی صحبتیں اپنی تاثیر و انقلاب میں بے حد مفید اور نافع اور ہر لحاظ سے نفع بخش ہوتی ہیں مجھے تو جب بھی ایسے مواقع ملے بحمد اللہ محروم نہیں لوٹا۔ اپنی نااہلی کا احساس تو ہے ہی مگر جن کی طلب صادق اور جذبہ طلب مسلسل و مستقیم ہو انہیں ایسے ہی مجالس فیض و برکت، درسگاہ علم و فضل اور تربیت گاہِ روح و باطن ہی سے مستقبل ہی کی فکر، جذبہ دعوت و تبلیغ، شوقِ شہادت و عزیمت رجوع و انابت الی اللہ، اتباع شریعت کی لازوال دولت و سعادت یقیناً حاصل ہوئی۔ خود ہمارے ممدوح حضرت سمعانی کے مجالس کے ضبط و اشاعت پر کئی ایک قارئین کے خطوط موصول ہوئے جنہیں مختلف پیشوں سے تعلق رکھنے والے ارباب علم و فضل کے تذکروں کے مطالعہ و استفادہ سے علمی و روحانی طور پر حظ وافر حاصل ہوا۔

چنانچہ مراد آباد (ہندوستان) سے حضرت مولانا علامہ افتخار فریدی صاحب احقر کے نام اپنے گراں قدر مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"رسالہ دارالعلوم دیوبند میں "علامہ سمعانی سے ملاقات" آپ کا مضمون تین قسطوں میں دیکھ کر اس عریضہ کا داعیہ پیدا ہوا۔ ملت ہند و پاک کی تباہی و بربادی کا سبب پیشہ ور حضرات کی تذلیل سے ہوئی جس طرح ہندو دیومالیت نے عزت و ذلت کی بنیاد پیشے پر رکھی ہے۔ اس کا سب سے نمایاں طبقہ اچھوت اقوام ہیں آج برصغیر کا مستقبل انہی پسماندہ اقوام کے ہاتھ میں ہے۔ جس طرح اسلام کے دور اول میں حق تعالیٰ شانہ نے غلاموں اور باندیوں کے ذریعہ دنیا کو دکھایا۔ خدا کرے "علامہ سمعانی سے ملاقات" کا یہ سیاق جلد مکمل ہو کر جلد طبع ہو ہماری ملت کے لئے اس وقت یہی حیات و بقا کا سبب بن سکتی ہے۔ ماشاء اللہ آپ کے قلب و دماغ کو حق تعالیٰ نے اس کام کی طرف راغب کر دیا ہے۔ جتنے پیشوں کے حضرات کے حالات آسکیں ہیں حسب معمول پیشہ وار عنوان قائم فرما کر چار زبانوں میں شائع فرمائیں۔ عربی، اردو، انگریزی اور فارسی۔ حق تعالیٰ آپ سے یہ کام لے رہا ہے خدا تکمیل کی توفیق بخشے۔ کم از کم اردو میں تو اسے جلد شائع ہونا چاہئے۔ پھر انشاء اللہ ہندی، بنگلہ، تامل، تلگو، کنڑی اور گورمکھی وغیرہ زبان میں بھی اسے طبع کرا دیا جائے گا۔ آپ کا یہ تالیفی سلسلہ وقت کا امر ہے۔ چاہئے آپ اس کے لئے استخارہ فرمالیں۔ کیا عجب کہ اس خطہ کی قیادت حق تعالیٰ شمال و جنوب کے قبائل عطا فرمائیں۔"

بہرحال حسب معمول موقعہ اور فرصت کو غنیمت سمجھتے ہوئے پھر سے حضرت سمعانی سے کتابی ملاقات کی سعادت حاصل کر لی اس دفعہ بھی موصوف نے کام و دہن کی حلاوت و عذوبت سے قطع نظر دل و دماغ کی ضیافت کو ترجیح دی۔

گفتگو کا موضوع یا افادات الیوم کا عنوان "حلوائی" قرار پایا۔ یہ عربی کا لفظ ہے۔ مگر اردو، فارسی، پنجابی

اور پشتو میں بھی سمجھا اور بولا جاتا ہے۔ یہ سب جانتے ہیں کہ مٹھائی اور شیرینی بنانے اور بیچنے والوں کو حلوائی کہا جاتا ہے۔ ہمارے اسلاف میں بھی بہت سے اہل فضل و کمال نے تحصیل و اشاعت علم کے ساتھ ساتھ بقائے حیات اور قوت لا یموت کی خاطر حلوائیوں کا کام کیا۔ اور اسی بطور پیشہ بھی اختیار کیا۔ اور اسی پیشہ کی نسبت سے علمی حلقوں میں ان کا شہرہ "حلوائی" کے لقب سے ہوا۔

اسلام میں جن شیرینی اور مٹھائی بنانے اور بیچنے والوں نے دین و دیانت اور علوم و معارف کی مٹھائی و شیرینی سے اہل اسلام کے کام و دہن کی تواضع کی ہے اور روح کو لذت بخشی ہے ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ خود علامہ سمعانی نے بھی آج کی مجلس میں ایک طویل فہرست بیان فرمائی۔ مگر خوف طوالت کے پیش نظر سب کے تذکرہ و تعارف کے بجائے چند ایک کے مختصر حالات، واقعات اور سوانح و افکار کا خلاصہ ضبط کر کے قدر دان علم و ادب کی خدمت میں بطور ایک علمی تحفہ کے پیش خدمت کئے دیتا ہوں۔

حلوائی علماء کی فہرست میں علامہ سمعانی نے سب سے پہلے ابو محمد عبدالعزیز بن احمد حلوائی کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:۔

موصوف شمس الائمہ کے لقب سے معروف تھے اور حلوائی کی نسبت ان کے لقب کا لازمہ بن گئی تھی۔

واہ، علامہ سمعانی نے بچپن سے اپنی محبوب اور معروف شخصیت کا تذکرہ چھیڑ دیا کہ دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ درس نظامی میں فقہ حنفیہ کی مروج نصابی کتابوں میں شاید ہی کوئی ایسی کتاب ہو جس نے شمس الائمہ حلوائی کا حوالہ نہ دیا ہو۔

اساتذہ نے پڑھاتے وقت جب بھی ان کا کوئی منقولہ مسئلہ، حوالہ یا رائے نقل فرمائی تو اس موقعہ و محل کی مناسبت سے شمس الائمہ کا پورا تعارف، پس منظر، لقب اور نسبت کی حقیقت بھی بیان فرمائی۔ یہ بچپن سے سنا تھا اور اپنے اساتذہ سے بارہا سنا اور "دفاع امام ابو حنیفہ" اور باب "علماء احناف کے حیرت انگیز واقعات" کی تالیف کے دوران جب حنفی رجال کے تذکرے پڑھے ان میں ایک شمس الائمہ حلوائی بھی تھے جن کا عنوان اور نام ہی ایسا ہے کہ تراجم کی کسی بھی کتاب میں ان کا تذکرہ پڑھے بغیر آگے نہ گذر سکا۔

شمس الائمہ حلوائی، اپنے زمانہ کے امام کبیر، فاضل بے نظیر، فقیہہ و محدث، شیخ حنفیہ اور ثقہ مجتہد تھے علامہ عبدالحی لکھنوی راوی ہیں کہ ابن کمال پاشا نے آپ کو مجتہدین فی المسائل میں شمار کیا ہے۔

علامہ سمعانی نے بتایا کہ موصوف نے قاضی حسین بن خضر نسفی سے علم فقہ کی تحصیل کی۔ علامہ عبدالحی لکھنوی نے اپنی معروف کتاب "الفوائد البھیہ فی تراجم الحنفیہ" میں یہ مزید تفصیل بیان فرمائی ہے کہ امام حلوائی نے علم حدیث کی باقاعدہ تعلیم ابو شعیب صالح بن محمد۔ احمد بن محمد انماطی، ابو اسحق رازی۔ اسمٰعیل بن محمد زاہد

عبداللہ کلاباذی، عبداللہ بن حسین۔ حافظ محمد غنجار جیسے اکابر ائمہ وقت اور ائمہ فن اور اپنے زمانہ کے مشہور اساتذہ حدیث سے حاصل کی۔ امام طحاوی کی درس نظامی میں داخل اور باقاعدہ بڑی توجہ سے پڑھائی جانے والی معروف کتاب شرح معانی الآثار فاضل وقت محدث عظیم ابوبکر محمد بن حسین حمدان سے پڑھی۔ حنفی تراجم اور اسمائے رجال کی مختلف کتابوں کے موصوف کے جستہ جستہ مختصر واقعات اور آپ کے حق میں بعض ائمہ کے آراء و اقوال، تصانیف کے ذریعہ موصوف کی علمی خدمات، مخلصانہ زندگی، سیرت و اخلاق اور ظاہری و باطنی کمالات کے کچھ نمونے سامنے آجاتے ہیں۔ اور سمجھنے والوں کے لئے بعض دیگر مخفی گوشوں پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ اگر کوئی اہل قلم ادھر توجہ دے تو نوجوان طبقہ علم کے حقیقی طالب علموں، سیرت اور فقہ و تاریخ کے موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے اس میں مطالعہ و تعمیر زندگی اور سیرت کی تشکیل میں وافر مدد ملے گی۔

علامہ سمعانی کے تذکرہ اور ان کی مجلس روحانی کی برکت سے مجھے آج حنفی تراجم اور اسماء رجال کی چھوٹی بڑی متعدد کتابوں سے استفادہ کا موقعہ بھی مل گیا۔ شمس الائمہ حلوائی کا تذکرہ میرے لئے کتابی مطالعہ و استفادہ کا ذریعہ بنا۔ آخر علماء کے مجالس اور علمی کتابوں کے تذکرے و تعارف اور مطالعہ کی انگیخت کا سامان نہ ہو۔ تو اس کے سوا کسی دوسری چیز کی توقع بھی عبث ہے۔

"الاکمال" میں حافظ ابونصر بغدادی نے امام حلوائی کو "امام اہل الرائے" کے لقب سے ذکر کیا ہے بہرحال اپنے زمانہ کے ہمعصر علماء، اقران، اور طلباء اور شائقین علم میں آپ کی علمی زیرکی، فقہی دانائی، محدثانہ شان، تحقیق مسائل میں حزم و احتیاط ضرب المثل بن گیا۔ طلبہ کا اژدحام ہونے لگا۔ درس و افادہ کے حلقے قائم ہوئے۔ تلامذہ و مستفیدین، سائلین و مستفتین کا انبوہ ہوا کرتا تھا۔ آپ کا علمی تبحر، ذہانت صاف گوئی، بحث و مناظرہ صحیح استدلال، حاضرین و سامعین کو گرویدہ کرلیتا تھا۔

اسلام کے پورے علمی ذخیرہ پر کامل عبور، تفقہ و اجتہاد و استنباط احکام۔ استخراج جزئیات اور تدریس و تفہیم کی اللہ پاک نے حضرت امام حلوائی کو جس قدر صلاحیتوں سے نوازا تھا اس کا اندازہ آپ کے حلقۂ تلامذہ اور مستفیدین کی عظمت سے لگایا جا سکتا ہے۔

غالباً حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کا مقولہ ہے کہ استاد کی لیاقت، علمی منزلت اگر معلوم کرنی ہو تو تلامذہ اور شاگردوں کے حلقہ میں اس کے متعلق جو تبصرہ اور رائے قائم کی جاچکی ہے اس میں استاد کی شخصیت نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔

چنانچہ تراجم کی کتابوں میں آپ کے حلقۂ تلامذہ کی فہرست میں اعاظم رجال فقہ، بے نظیر مدرسین و مجتہدین

فقہاء محدثین اور لاجواب کتابوں کے مصنفین دو زانو بیٹھے تحصیل علم میں مشغول نظر آتے ہیں۔

یہ سب کچھ موہبت خداوندی اور عطیہ الٰہی تھا اور خداداد ذہانت وفراست دیانت واخلاص تعلق باللہ، علمی اشتغال وانہماک اور تقویٰ وطہارت اور جذبۂ خدمت دین جیسے اوصاف حمیدہ ہی کا کرشمہ تھا کہ علامہ فقیر محمد جہلمی صاحب حدائق الحنفیہ اور علامہ سمعانی کے ارشاد کے مطابق شمس الائمہ بکر زنجری۔ محمد بن علی، ابوبکر محمد بن حسین۔ فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی۔ صدر الاسلام محمد بن محمد۔ قاضی جمال الدین، ابونصر احمد بن احمد الرحمٰن جیسے اعاظم رجال علم، شہنشاہان علم وفقہ، اور مرجع خاص وعام آپ ہی کی درسگاہ کے فیض یافتہ اور آپ ہی کی فیض صحبت سے بہرہ مند تھے۔

سب کا تعارف تو مشکل ہی ہے۔ البتہ فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی ہی کے تعارف سے دیگر اکابر کی عظمت کا اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے۔ گو علامہ سمعانی نے آج کی مجلس میں تفصیلی تذکرہ نہیں فرمایا۔ مگر اپنے اساتذہ سے زمانہ طالب علمی میں دوران درس امام بزدوی کا اسم گرامی بار بار سنا جو اب گویا ایک مانوس اور محبوب نام بن گیا ہے۔

یہ وہی امام بزدوی ہیں جو اصول وفروع میں اپنے زمانہ کے امام ائمہ، شیخ حنفیہ، مرجع انام، جامع علوم مختلفہ، فقیہ کامل، جید عالم، عظیم محدث اور حفظ مذہب میں ضرب المثل ہیں —— یہ القاب اور تعارف کے کلمات نہ تو علامہ سمعانی نے بیان فرمائے اور نہ احقر نے اپنی طرف سے بڑھائے۔ بلکہ تراجم کی دسیوں کتابوں سے مختلف ائمہ علم کی رائے واقوال اور شہادتیں نقل کرکے انہیں ایک پیرایہ میں جمع کر دیا ہے تراجم میں کثرت سے آپ کے تصنیفات کثیرہ کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ یہ وہی امام بزدوی ہیں جنہوں نے گیارہ جلدوں میں مبسوط تصنیف کی۔ جامع کبیر اور جامع صغیر کی شروحات لکھیں۔ اصول فقہ میں آپ کی معتمد اور عظیم کتاب "اصول بزدوی" نے تو آپ کے نام کا شہرہ آفاق میں پھیلا دیا ہے۔ تراجم کی کتابوں نے آپ کی ایک ایسی تفسیر کی نشاندہی بھی کی ہے جسے آپ نے ۱۲۰ جلدوں میں تصنیف فرمایا ہے۔ جب کہ ہر جلد قرآن کے حجم کے مساوی ہے

امام بزدوی کے بارے میں کتابوں میں ایک عجیب وغریب لطیفہ بھی منقول ہوتا چلا آیا ہے۔ حدائق الحنفیہ کے مصنف نے بھی اسے نقل کیا ہے۔ بہرحال مشہور ہے کہ امام بزدوی کے زمانے میں ایک بڑا متبحر عالم شافعی المذہب آپ کے علاقہ میں آیا۔ جس سے بھی وہ مناظرہ کرتا تھا اس پر وہ غالب آجاتا تھا حتیٰ کہ صورت حالات یہاں تک پہنچی کہ بہت سے حنفیہ بھی مسلک شافعیہ کی طرف رجحان ظاہر کرنے لگے۔ علماء اور فضلاء جمع ہوئے اور ایک وفد کی صورت میں امام بزدوی کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ :۔

حضرت آپ صورت حال پر نظر رکھیں اور اپنے علم وفضل کی وجہ سے ادھر توجہ دیں۔ ورنہ ہم سب

شافعی المذہب ہو جائیں گے۔

امام بزدوی نے فرمایا: میں ایک فقیر اور گوشہ نشین انسان ہوں۔ مجھ کو مباحثہ اور مناظرہ سے کچھ کام نہیں مگر وفد نے شدید اصرار کیا تو آپ نے ان کی التجا قبول کر لی۔ اور اسی مناظر عالم کی مجلس میں تشریف لے گئے چنانچہ اس نے امام بزدوی کو دیکھ کر حضرت امام شافعی کے مناقب کا بیان شروع کر دیا اور کہا کہ :-
امام شافعی نے ایک مہینہ میں قرآن حفظ کیا۔ ہر روز ایک مرتبہ قرآن ختم کرتے تھے۔ رات کو تراویح میں سارا قرآن پڑھا کرتے تھے۔

امام بزدوی نے فرمایا: یہ تو آسان کام ہے زمانہ طالب علمی اور ارباب علم سے وابستگی اور قلبی جذبہ اور شوق ہو تو قرآن کا حفظ کوئی اتنا مشکل نہیں۔ قرآن شریف بتمامہ علماء اور ہم اس کو اپنی یاد سے لکھا کرتے ہیں۔
جناب! سرکاری دفتر کا حساب کتاب لاؤ، اور مجھے دو سال کا خرچ و آمد پڑھ کر سناؤ۔ چنانچہ لوگوں نے تعمیل ارشاد میں ایسا ہی کیا تو آپ نے سارے ریکارڈ پر ایک نظر ڈالی۔ اور مکمل مطالعہ کر لیا۔ اور سرکاری کاغذات پر اسی غرض کے کوئی ان میں تغیر و تبدل نہ کر سکے سرکاری مہر لگوا دی اور ایک مکان مقفل میں بند کرا دیا۔ اور خود حج پر تشریف لے گئے۔ جب چھ ماہ بعد لوٹے تو ایک بڑی تقریب قائم کی۔ مقفل سرکاری کاغذات اور دفاتر منگوا کر لوگوں سے کہا اور خود اس شافعی المذہب عالم کے ہاتھ میں رجسٹر تھما دیا اور اسی مجلس میں تمام حاضرین کے سامنے چھ ماہ قبل سنا ہوا سینکڑوں صفحات پر مشتمل سارا حساب یاد سے سنا دیا۔ یہاں تک کہ ایک حرف کی بھی غلطی نہیں لگی۔ جس سے شافعی المذہب مدعی کو شرم و خجالت اور شرمندگی و ندامت ہوئی اور اپنے کئے پر عمر بھر پچھتاتا رہا۔

علامہ سمعانی نے حلوائیوں کے طبقہ سے تعلق رکھنے والے ارباب علم و فضل کے تذکرہ میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مشہور حنفی امام اور مصنف علامہ ابو سہل محمد بن احمد سرخسی بھی آپ کے شاگرد خاص اور آپ ہی کی درسگاہ کے فیض یافتہ ہیں۔

بات طویل ہو جائے گی۔ مگر ترک کر دینا بھی مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ سچ پوچھئے تو اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوں وجہ اس کی بھی وہی ہے جو امام بزدوی کے ذکر میں عرض کر چکا ہوں کہ زمانۂ طالب علمی میں اپنے اساتذہ نے جن حنفی ائمہ کا بار بار تذکرہ کر کر کے دل و دماغ میں ان کی شخصیتیں رچا بسا دیں۔ ان کے نام آنے پر اور ان کا تذکرہ ہونے پر اگر دل نہ مچلے، طبیعت میں روانی نہ آئے تب تو ضرور تعجب کرنا چاہئے۔ یہاں تو بحمداللہ منفی پہلو ہے ہی نہیں۔ مثبت پہلو آپ کے سامنے ہے۔ یہ بھی میرا کوئی کمال نہیں۔ جن لوگوں کی جوتیاں سیدھی کرنے کی برکتوں کے طفیل اللہ نے ائمہ احناف کا نام لینے کی توفیق بخشی ہے یہ بھی ان ہی کا فیض اور ان ہی کی کرامتیں

ہیں۔ بہرحال بات امام سرخسی کی چل نکلی۔ علامہ سمعانی نے گمان کا تفصیلی تذکرہ اور حالات نہیں بتائے شمس الائمہ حلوائی کے تلامذہ کی فہرست میں دوسرے اکابر، ائمہ اور فقہاء عظام کے اسماء گرامی کی طرح آپ کا بھی نام مبارک تحریر فرمایا ہے مگر تراجم اور اسماء الرجال کی کتابوں میں آپ کا تذکرہ تفصیلاً منقول ہوتا چلا آیا ہے۔ آپ بھی شیخ و مربی اور استاذ کی طرح شمس الائمہ کے لقب سے مشہور تھے۔ اپنے زمانے کے امام، علامہ، متکلم، مناظر، اصولی، فقیہہ محدث اور مجتہد تھے۔

ابن کمال پاشا نے آپ کو مجتہدین فی المسائل کے طبقہ میں شمار کیا ہے۔

ابتداء میں اپنے والد کی ہمراہی میں تجارت کی غرض سے بغداد تشریف لائے اسی دوران استاذ الاساتذہ، امام حلوائی سے ربط پیدا ہوگیا۔ پھر کیا تھا امام حلوائی کی نظر کیمیا اثر کام کر گئی۔ ایک بار دیکھا کہ گرویدہ ہوگئے امام سرخسی امام حلوائی کی مجلس فیض اثر سے اٹھنے کا نام بھی نہ لیتے تھے۔ تعلیم شروع کی، امام حلوائی کی صحبت خدمت اور تحصیل علم میں مداومت اختیار کی۔ علوم ان سے پڑھے اس وقت تک چھٹی و رخصت اور واپسی کا نام نہ لیا جب تک کہ علم و فضل میں تکمیل کے مراحل طے کرکے یگانۂ روزگار نہ ہوئے۔ آپ کے زمانۂ حبس (قید) کی المناک داستان، جس میں عبرت و نصیحت کے کئی ابواب اور دسیوں پہلو موجود ہیں اپنے اساتذہ سے بارہا سنتا رہا۔ اور دفاع ابوحنیفہ کی تالیف کے دوران تراجم کی متعدد کتابوں میں اصل واقعہ خود مطالعہ کرکے ترجمہ و نقل کرنے کی توفیق ارزانی بھی ہوئی۔ قارئین کی دلچسپی اور افادہ کے پیش نظر جی چاہتا ہے کہ یہاں بھی اسے دفاع ابوحنیفہ سے نقل کرکے پیش خدمت کردوں۔ تاکہ دنیا پر یہ واضح ہو سکے کہ ہمارے اسلاف اور ائمہ امت نے حلوائیوں کا کاروبار کرکے بھی انسانی سیرت کی تعمیر و تشکیل اور رجال کار کی تربیت اور آدم گری پر کتنی زیادہ توجہ دی تھی۔ خود امام حلوائی نے رجال کار کی جو عظیم کھیپ تیار کی ہے۔ ان میں تفصیلی تذکرہ سب کا تو نہ کرسکا البتہ امام بزدوی اور امام سرخسی کے اجمالی تذکرہ سے سب کی اہمیت اور وقعت اور مرتبہ و مقام کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے چونکہ شمس الائمہ سرخسی اپنے وقت کے امام، حق گو، نڈر اور بے باک عالم دین تھے ہر وقت نصح و خیر خواہی کا جذبہ غالب رہتا تھا۔ اسی جذبہ حق گوئی اور احقاق حق کی خاطر اپنے زمانے کے حکمران ترکی خان خاقان کو اعلاء کلمۃ اللہ کے پیش نظر کچھ نصیحت کی۔ اور لوگوں پر ناجائز محصول عائد کرنے اور بے جا مظالم سے روکا مگر نشۂ اقتدار نے خاقان کو حق سننے اور حق قبول کرنے کے بجائے غیض و غضب میں مبتلا کر دیا۔ خاقان نے امام سرخسی کو حق گوئی کی پاداش میں سخت سزائیں دینا شروع کیں۔ آخر میں شہر جند کے جب (کنوئیں) میں قید کر دئے گئے۔ پھر کیا ہوا۔ قدرت کی نیرنگی، ذوق علم اور اشاعت فقہ و احکام کا جذبہ دیکھئے۔ امام حلوائی کے اس ہونہار شاگرد کے تلامذہ آپ سے تحصیل علم کی خاطر کنوئیں کی من پہ بیٹھ جایا کرتے تھے

شمس الائمہ امام سرخسی اندر سے طلبہ پر املا کرانے تھے استاد جو کچھ فرماتے طلبہ اسے اسی وقت قلم بند کر لیا کرتے تھے۔ نہ کتب خانہ تھا اور نہ کوئی کتاب ساتھ تھی۔ جو کچھ لکھواتے اپنے سابقہ مطالعہ، قوت یادداشت فکر رسا، طبع ذکا اور حافظہ کی مدد سے لکھواتے تھے۔ آپ کی وہی درسی واملائی تقاریر مرتب ہو کر آج ۳۰ جلدوں میں مبسوط سرخسی کے نام سے طبع ہو کر فقہ وقانون کے ماہرین اور ایک علمی دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال چکی ہیں۔

گویا فقہ اسلامی کی یہ عظیم انسائیکلوپیڈیا امام سرخسی کے زمانہ حبس کے لیکچروں کا یادگار مجموعہ ہے جس میں جگہ جگہ امام سرخسی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ کہ کتاب اس فصل تک پہنچی ہے اور میں ابھی تک اشرار کے ہاتھوں کنوئیں کی قید کی سزا کاٹ رہا ہوں۔

صرف یہ نہیں بلکہ تراجم کی کتابوں میں آپ کے مزید علمی شاہکار کنوئیں میں زمانہ حبس کی یادگار کتابیں ہیں۔ مثلاً کتاب عبادات کی شرح۔ کتاب الاقرار کی شرح اسی قید ہی کے ایام میں آپ نے اپنے تلامذہ سے لکھوائیں چنانچہ امام حلوائی کے یہ ہونہار شاگرد امام سرخسی جب شرح العبادات کے لکھوانے سے فارغ ہوئے تو اس کے آخر میں تصریحاً یہ تحریر فرمایا کہ:۔

هذا اخر شرح العبادات	اب یہ شرح العبادات کا آخر ہے جو واضح
• باوضح المعانی واوجز العبارات	اور مختصر مگر جامع عبارات میں ادا کیا گیا ہے
املاء المحبوس فی محبس	اسے شریروں کے ایک شریف قیدی نے
الاشرار	لکھوایا ہے۔

شرح سیر کبیر اور اصول فقہ میں آپ کی تصنیف بھی اسی زمانہ حبس کی یادگاریں ہیں۔

امام حلوائی کے اس ہونہار شاگرد کو قدرت نے بڑے کمالات سے نوازا تھا۔ استاد کی دعائیں اور صحبت ومجالس کی برکتیں علمی وعملی میدان میں اس کی زبردست پشت پناہی کر رہی تھیں۔

آپ کے تذکرہ میں مصنفین یہ واقعہ بھی لکھتے آئے ہیں کہ کسی نے آپ کے سامنے حضرت امام شافعیؒ کے فضائل وکمالات بیان کرتے ہوئے کہا کہ امام شافعی کو کتابوں کی تین سو جلدیں یاد تھیں۔ آپ نے سنا تو اپنے یاد کردہ کتابوں کے اجزاء کو شمار کیا جب گنتی مکمل کر لی تو ان کی تعداد بارہ ہزار نکلی۔ واہ، یہ تھی حضرت حلوائی کی تربیت اور نگاہ کیمیا اثر کی تاثیر۔ دراصل وہ مجالس ہی ایسے تھے کہ وہاں کی برکتوں سے گناہ دھل جاتے تھے نئے گناہوں کے ارتکاب کی ہمت ہی ختم ہو جایا کرتی تھی۔ گناہ کم ہو جائیں تو حضرت وکیع کی وصیت کے مطابق حافظہ قوی ہو جاتا ہے ۔

شکوت الی وکیع سوء حفظی
فاوصانی الی ترک المعاصی
فان العلم نور من اللہ
فنور اللہ لا یعطی لعاصی

ترجمہ: میں نے امام وکیع سے اپنے حافظہ کی خرابی اور کمزوری کی شکایت کی۔ تو انہوں نے بطور معالجہ مجھے گناہوں کے چھوڑ دینے کا مشورہ دیا اور فرمایا کہ علم اللہ کے معارف کا ایک نور ہے۔ جو گناہگار اور معاصی سے ناپاک قلوب میں نہیں رکھا جاتا۔

مجھے افسوس ہے کہ امام حلوائی کے تذکرہ میں تطویل ہوگئی دیگر حلوائی ارباب علم وفضل کی فہرست جسے علامہ سمعانی نے مرتب فرمایا ہے میرے سامنے ہے۔ مگر کیا کیجئے مکتب حنفیہ اور ائمہ احناف کے سوانح و حالات ایسے کب ہیں کہ ان کے سامنے ہوتے ہوئے دوسروں کی طرف نگاہ اٹھ سکے۔

بہرحال تطویل بھی لا حاصل نہیں۔ اگر امام حلوائی کے تذکرہ میں یہ پہلو نہ دکھایا جاتا تو شاید بات کمزور رہتی مقصد بھی یہی ہے کہ خود مجھے اور میرے پڑھنے والوں کو عمل کی انگیخت ہو۔ امام حلوائی کے ہونہار شاگرد امام سرخسی کا تذکرہ اس لئے طویل ہوگیا کہ ان کی زندگی میں اپنی کامیابی کی راہیں تلاش کی جا سکتی ہیں۔ لیجئے ایک دو واقعات امام حلوائی کے اس ہونہار شاگرد کے اور بھی عرض کر دیتا ہوں خدا کرے کہ ہم سب کو اس سے اپنی زندگی سنوارنے کا فائدہ حاصل ہو۔ آپ کے تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے۔ کہ جب امام سرخسی کو ترکی خان خاقان نے گرفتار کر کے شہر جند کے کنوئیں کی طرف بھیج دیا۔ پولیس والے آپ کو ہتھکڑیوں اور جولان میں جکڑ کر جند کی جانب جب لے جا رہے تھے تو راستے میں جب بھی نماز کا وقت ہوتا بغیر کسی تحریک کے آپ کے بند ھے ہوئے ہاتھ اور پاؤں خود بخود کھل جاتے سرکاری جولان اور ہتھکڑیوں کے تالے چابی لگائے بغیر اس قیدی سے جدا ہو جاتے۔ امام سرخسی وضو یا تیمم کر کے اذان کہتے اور پھر تکبیر کہہ کر نماز پڑھنا شروع کر دیتے۔ چنانچہ پہرہ اور نگرانی کرنے والے سپاہی یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھتے کہ سبز پوشوں کی ایک جماعت آپ کے پیچھے کھڑی نماز ادا کر رہی ہے۔

جب امام سرخسی نماز پڑھنے سے فارغ ہوتے تو نگران سپاہیوں سے فرماتے، کہ آئیے! اور مجھے باندھ لیجئے، سپاہی عرض کرتے۔ حضرت خواجہ! ہم نے آپ کی کرامت اور عند اللہ رتبہ و مقام آنکھوں سے دیکھ لیا ہے اب ہم آپ کے ساتھ ایسا معاملہ کب کر سکتے ہیں۔

امام سرخسی فرماتے! کہ میں تو خدا تعالیٰ کے حکم کا مامور ہوں اس کا حکم بجا لایا ہوں تاکہ قیامت کے روز

شرمندگی نہ ہو۔

اور تم سپاہی ہو ظالم خاقان کے تابع اور تنخواہ خور ملازم ہو تمہیں بھی چاہئے کہ اپنے آقا کا حکم بجالاؤ کہ اس کے ظلم سے خلاصی پاؤ۔

آپ کے تذکرہ میں صاحب حدائق الحنفیہ نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ جب آپ شہر جند میں پہنچے تو ایک مسجد میں نماز کے لئے داخل ہوئے۔ دیکھا! کہ امام مسجد آستین کے اندر ہاتھ رکھ کر تکبیر تحریمہ کہہ رہا ہے۔ چنانچہ امام سرخسی نے پچھلی صف سے آواز دی کہ تکبیر تحریمہ پھر کہنی چاہئے۔ امام مسجد نے پھر حسب سابق آستین ہی میں ہاتھ رکھ کر تکبیر کہی۔ اسی طرح تین مرتبہ رد و بدل ہوا، چوتھی مرتبہ امام مسجد قرائن سے اندازہ لگا چکے تھے عرض کیا! کہ شاید آپ امام اجل سرخسی ہیں۔

فرمایا ہاں! وہی ہوں۔ امام مسجد نے تکبیر میں خلل اور اعادہ کے حکم کی وجہ پوچھی تو امام سرخسی نے فرمایا۔

محترم! مردوں کو ہاتھ آستین سے باہر نکال کر تکبیر کہنی چاہئے یہی سنت ہے۔ مجھے ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنے میں عار محسوس ہوتی ہے جو عورتوں کے طریقہ کے مطابق ہاتھ آستین کے اندر رکھ کر نماز میں داخل ہو رہا ہو۔

ایک حیرت انگیز واقعہ ان کا جو بیان کیا گیا ہے جس میں جریان البطن کی وجہ سے چالیس مرتبہ عارضہ شکم لاحق ہوا مگر ہر بار آپ نیا وضو بنا کر مطالعہ و تحصیل علم میں لگے رہے سبق قضا کرنا یا چھٹی تو کجا، وضو کا ترک کرنا بھی گوارا نہ کیا میرے تو اس واقعہ کے پڑھنے سے رونگٹے کھڑے ہو گئے تفصیلی قصہ یوں ہے:۔

شہر جند کے کنوئیں میں جب آپ قید کے ایام گذار رہے تھے تو اس کنوئیں کی منڈیر پر شائقین علم، طلبۂ علوم دینیہ حاضر ہوتے۔ آپ اندر سے پڑھاتے اور طلبہ آپ کی تقاریر درس کو امالی کی صورت میں محفوظ کرتے رہے کسی روز آپ نے ایک شاگرد کی آواز نہ سنی۔ آپ نے حاضر طلبہ سے پوچھا کہ فلاں کی آواز نہیں آرہی، موجود ہے یا چلا گیا ہے؟

ایک طالب علم نے عرض کیا حضرت! وضو بنانے گیا ہے چونکہ سردی زیادہ ہے اس لئے میں بسبب شدت سردی کے وضو نہ بنا سکا۔ امام سرخسی نے اس طالب علم کے یہ الفاظ سن کر جلال آمیز لہجہ میں فرمایا۔

عافاک اللہ۔ خدا تجھے معاف کرے، تجھے شرم نہیں آتی اس قدر معمولی سی سردی میں تو وضو بنانے کی سعادت سے خود کو محروم کر رہا ہے۔ حالانکہ جب میری طالب علمی کا زمانہ تھا تو مجھے بخارا میں ایک مرتبہ جریان البطن کی شدید شکایت ہوئی۔ عارضہ شکم لاحق ہوا ایک ہی روز میں چالیس مرتبہ قضائے حاجت ہوئی۔ مگر میں نے نہ تو سبق کا ناغہ کیا اور نہ چھٹی کی درخواست دی۔ ناغہ و چھٹی تو کجا، چالیس مرتبہ قضائے حاجت کو جاتا رہا اور سخت سردی کے

موسم ہی ہر مرتبہ نیا وضو بنا کر اپنے تعلیمی مشغلہ میں بدستور مصروف رہا جب مکان پہ آتا تو میری دوات سردی کی شدت سے جم جایا کرتی تھی۔ میں اسی دوات کو اپنے سینے پر رکھ لیتا تھا جب سینہ کی گرمی سے وہ قدرے کام کی ہو جاتی تو اس سے اساتذہ کے امالی و تعلیقات کا کام شروع کر دیتا تھا۔

بہر حال اچھا ہوا کہ شمس الائمہ حلوائی کے تذکرہ سے علم و ادب کی بہاروں کی کتنی ایک جھلکیاں دیکھ لی ہیں۔

لکھا ہے کہ امام حلوائی حلوہ بنانے کی وجہ سے حلوائی کہلاتے تھے۔ مگر اس کے علاوہ موصوف کی عادت مبارک یہ تھی کہ حلوہ بنا بنا کر اپنے اساتذہ، مشائخ اور طلبہ کو بڑی فیاضی سے کھلاتے تھے۔ آج جو علماء کا طبقہ حلوہ خوری کی نسبت سے مطعون کیا جاتا ہے ممکن ہے اس میں ایسے واقعات کا بھی دخل ہو۔ حالاں کہ بازار میں اگر فی الواقعہ تحقیق کر لی جائے تو حلوہ خریدنے والے مولوی عام لوگوں کی نسبت ۱۰ فیصد سے بھی کم ملیں گے اور مشاہدہ بھی یہی ہے کہ حلوہ وہی لوگ زیادہ کھاتے ہیں جو اس نسبت سے مولوی کو زیادہ بدنام کرتے ہیں۔

علامہ سمعانی نے بتایا کہ امام حلوائی ۹۰ھ میں بمقام کش وفات ہوئے۔ اور بخارا میں لے جا کر دفن کئے گئے مجھے افسوس ہے کہ امام حلوائی اور ان کے دو تلامذہ امام بزدوی اور امام سرخسی کے تذکروں سے مضمون طویل ہو گیا ہے اور علامہ سمعانی کے ارشاد فرمودہ دیگر حلوائی فضلاء اور صاحبانِ کمال کا تفصیلی تذکرہ مشکل ہوتا چلا جا رہا ہے۔

تاہم محمد حلوائی کی شخصیت ایسی تھی کہ اس کے شیخ وقت، استاذ حدیث ہونے پر اپنے وقت کے علماء کا اتفاق تھا۔ موصوف عالم باعمل اور حدیث و محدثین کا بے حد اکرام و تعظیم کرتے تھے۔ حدیث پر عامل تھے مگر فتویٰ علماء کوفہ یعنی احناف کے مسلک پر دیا کرتے تھے۔

تیسرے نمبر پہ علامہ سمعانی نے عبداللہ بن احمد حلوائی کا تذکرہ فرمایا موصوف بہت بڑے فقیہہ، جید عالم اور حافظ الحدیث تھے۔ حلوائیوں کا کاروبار کر کے رزق حلال کماتے کبھی کبھی پارچہ فروشی کا کاروبار بھی کر لیا کرتے تھے۔ اس لئے خود کو بزاز بھی لکھا کرتے تھے۔

عبدالرحیم بن عبداللہ حلوائی، علوم و معارف کا گنجینہ، اور قرآنی و روحانی علوم کا گویا خزینہ تھے۔ علامہ سمعانی نے ان سے تلمذ اور تحصیل علم حدیث کو بڑے فخر و امتیاز کے ساتھ بیان فرمایا۔

کہتے تھے کہ عبدالرحیم حلوائی، میرے شیوخ حدیث سے ہیں بلخ اور مرو دونوں مقامات پر مجھے ان سے تحصیل علم حدیث کا شرف حاصل ہوتا رہا۔

بہر حال امام سمعانی نے الانساب کے ورق ۱۷۵ پر جن حلوائی ارباب فضل و کمال کا تذکرہ فرمایا۔ ان کے سوانح

وافکار اور بے داغ کردار سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے دودھ اور شکر سے صرف حلوہ اور شیرینی ہی تیار نہیں کی بلکہ علم و عمل کی ایسی شیرینیاں بھی تیار کر کے تقسیم فرماتے رہے جن کی لذت سے مسلمانوں کے علمی و روحانی ذوق میں بڑی لطافت پیدا ہوئی ہے۔ ارتقاء علم و فکر اور تبلیغ و اشاعت دین کے جس قدر کرشمے آج دنیا میں نظر آتے ہیں یہ تمام ان ہی کی محنت و مشقت اور تدبر و تفکر کے نتائج ہیں۔ وہ فرش گل پہ چلنے کے بجائے خارزار جنگل پہ چلتے رہے مگر علم کی آبرو پر آنچ نہ آنے دی۔ ان کا دائمی نصب العین، علم کی اشاعت اور خدمت دین رہا۔ ان کی زندگی و مساعی کا یہی ایک منشور تھا جس میں وہ کبھی تبدیلی کے روادار نہ تھے

وہ صرف ایک ہی اصول "اتباع دین مبین اور اعتصام بحبل اللہ المتین" کے پابند تھے۔ اسی میں انفرادی و اجتماعی قومی و ملی فلاح کو مضمر سمجھتے تھے۔ ان کا انداز فکر مجتہدانہ تھا۔ وہ احیاء اسلام کے داعی تھے علم و ادب کا خاص موضوع تھا۔ ان کے لگائے ہوئے علمی گلستان اور روحانی گلشن قیامت تک شاداب رہیں گے۔

جناب محمود الازہار ندوی
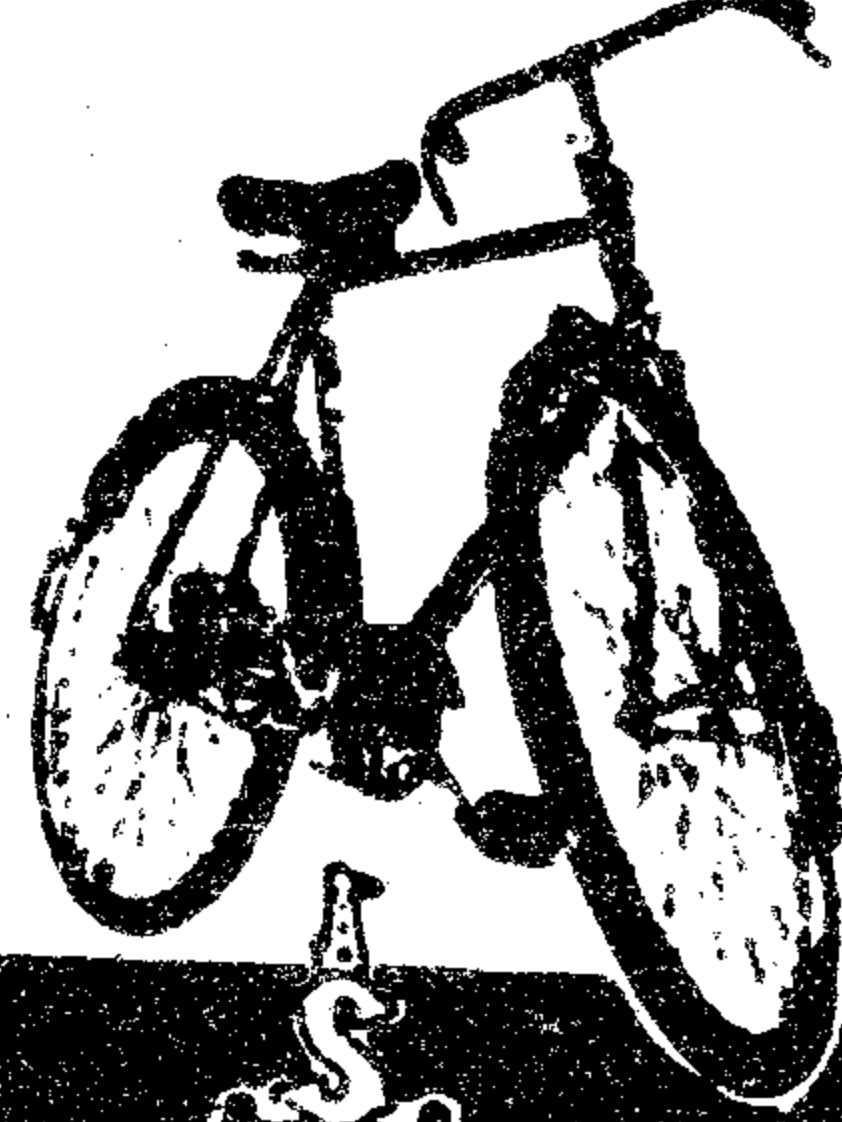
اسلام کا اعجاز

اسلام کا اعجاز ہے کہ اس نے اپنے محور اور مرکز کو نہ زمان کے ساتھ مخصوص رکھا ہے اور نہ مکان کے ساتھ۔ مقامات مقدسہ کے علاوہ دمشق، بغداد، قرطبہ، استنبول، دلی اور ترکستان کو یکے بعد دیگرے مرکز بنایا۔ عربوں، ایرانیوں، برامکہ، ترکوں، سلجوقیوں اور ہندوستانیوں سے وہ کام لیا جس نے اسلام کی صحیح ترجمانی کی اور اسے مستقر فراہم کیا اور اسلامی علوم وفنون کی تدوین وترویج کی اور اس کی نشر واشاعت میں سرپرستی کی اور زمانہ وحالات کے لحاظ سے کتابوں کے تراجم کرائے اور علمی طور سے اپنے کو اتنا زیادہ مالا مال کرایا کہ اس کی ہمعصر قوموں میں اس کی نظیر ملنی آسان نہیں ہے۔

اسلام قوموں کی ترقی، تہذیب کے پروان چڑھنے اور تمدن کے فروغ میں بھی اپنی نظیر نہیں رکھتا ہے اور اس کے مراکز اپنے اپنے زمانے میں صرف اسلام ہی کے مراکز نہیں تھے بلکہ وہ تہذیب وتمدن کے بھی مراکز تھے، علوم وفنون کے دبستان تھے، اقتصادیات کی اہمیت کے حامل یعنی تجارتی مراکز بھی تھے، وہاں کی زبان وادب معیاری اور ٹکسالی تسلیم کی جاتی تھی، اسی لئے یہ مراکز غیر مسلم طاقتوں اور قوموں کی طبع آزمائیوں کا شکار ہوئے اور ان کے دست برد کا نشانہ بنے اور وہاں کی آبادیاں زیر وزبر ہوگئیں پرشکوہ عمارتیں کھنڈر بن گئیں اور علوم وفنون کی آبیاری کرنے والے چشمے یعنی کتب خانے خاکستر ہوگئے اور مسلمان ہونا جرم قرار دیا گیا مگر جب یہی قومیں مسلمانوں سے قریب ہوئیں، اسلامی تعلیمات سے واقفیت حاصل کی اور مسلمانوں کی زندگی کا مطالعہ کیا، ان کے عادات واطوار اور اخلاق کا مشاہدہ کیا تو وہی اسلام کے پاسبان ہوگئے، اس کی علمی سرپرستی کی، اس کو مذہبی تحفظ فراہم کیا، تہذیب وتمدن میں ایک نیا موڑ دیا اور ایک نئی معاشرت کی داغ بیل ڈالی اور اسلام کو حیاتِ نو دی۔

اسلام کا یہ اعجاز ہے کہ اس نے اپنے دشمن اور مخالف سے اپنی پاسبانی اور پاسداری کا کام لیا ہے اور ان سے دین کی رہنمائی کرائی ہے، مشرکین مکہ ہی کو لیجئے جو اسلام کے سخت ترین دشمن تھے

مگر جب اسلام نے ان کے دلوں میں جگہ بنائی تو وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مرمٹنے اور فدا ہونے کے لئے تیار رہتے تھے اور ان کو اصحاب کے لفظ سے یاد کیا گیا اور ان کی یہی ادا اسلام کی دعوت و تبلیغ کے کام کو بڑھانے، اسلامی معاشرت کو فروغ دینے اور اسلامی زندگی کو پروان چڑھانے میں معاون بنی۔

ایرانیوں کو یعنی وہ عربوں کو حقیر سمجھتے تھے وہ ان کو تہذیب و تمدن نیز مذہبی طور سے پسماندہ قرار دیتے تھے مگر جب وہ اسلام سے قریب ہوئے تو عربوں کی سرپرستی میں اسلام کے پاسبان ہوگئے، پوری عباسی تاریخ کا مطالعہ کیجئے، برامکہ کو لیجئے، ترکوں کو لیجئے کہ انہوں نے خلفاء عباسیہ کے ساتھ اسلام کی شان و شوکت اور طاقت و قوت میں کس قدر اضافہ کیا اور اسلام کی بازنطینی حکومت کے مقابل کس طرح محافظ بنے رہے اسی طرح سلاجقہ نے اسلام کو علمی و تہذیبی تفوق دیا اور خلافت کی گرتی ہوئی دیوار کو ایسا سہارا دیا جس نے خلافت عباسیہ کو مزید دو صدی کے لئے ممتد کر دیا اور یہی سلاجقہ تھے جنہوں نے صلیبی افواج کی یلغار کو مدتوں روکے رکھا اور اسلام کی حفاظت میں سینہ سپر رہے اور صلیبی افواج کی شام اور فلسطین کے علاقوں میں رسائی ان کے خاتمہ کے بعد ہی ہو سکی اور سلاجقہ کا یہ دور اسلامی تاریخ کے زرین عہد کی طرف اشارہ کرتا ہے، پروفیسر فلپ، کے حتی لکھتا ہے۔

" جوں جوں سلجوقیوں کی فوجوں میں نئے نئے اور تازہ دم ہم قبیلہ ترک جوق در جوق داخل ہونے لگے، ان کی فتوحات کے دائرے بھی بڑی تیزی کے ساتھ پھیلنے لگے یہاں تک کہ مغربی ایشیا پھر ایک بار ایک ہی اسلامی حکومت کے پرچم تلے متحد ہو گیا اور اسلامی فوجوں کی عظمت کا چاند پھر ظلم و ضلالت کے بادلوں سے نکل آیا۔ اسلام کی طرف سے دنیوی اقتدار اور فضیلت کے حصول کی جدوجہد شروع ہو گئی تھی، اب وسط ایشیا کی ایک نئی نسل اس کے لئے اپنا خون پسینہ ایک کر رہی تھی، اس نسل کے وحشی اور بے دین افراد نے اگر کبھی رسول اللہ کے ماننے والوں کی گردنیں اپنے پیروں تلے روندی تھیں تو یہی لوگ اب اپنے مفتوحوں کا دین یعنی اسلام قبول کر کے دین اسلام کے پرجوش علم برداروں میں داخل ہو گئے لیکن یہ بھی خوب یاد رہے کہ دین اسلام کی تاریخ میں یہ کوئی انوکھا واقعہ نہ تھا۔ ان کے عمزاد بھائی یعنی تیرہویں صدی عیسوی کے منگول اور دوسرے رشتہ دار عثمانی ترکوں نے بھی چودہویں صدی کی ابتداء میں یہی کہانی دہرائی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں کے تاریک ترین سیاسی دور میں بھی دین اسلام نے اپنی بعض شاندار فتوحات حاصل کی ہیں۔ (عرب و اسلام ص ۲۰۷-۲۰۸ مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی، جولائی ۱۹۵۱ء)

اسی طرح جب تاتاری یعنی چنگیز خان کا پوتا ہلاکو ۱۲۵۳ء میں ایک جرار فوج کے ساتھ نکلا تو اس فوج کے راستے میں جتنی ریاستیں آئیں ان سب کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے گئی اور

۱۲۵۸ میں دارالخلافہ بغداد کو گھیر لیا اور شہر میں داخل ہو گیا خلیفہ مستعصم باللہ اور اس کے تین سو سے زائد عمائدین کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور بغداد کی گلی گلی میں شہریوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی اور پورے شہر میں آگ لگا دی گئی۔ آبادی کا بڑا حصہ جس میں خلیفہ بھی شامل تھا صفحۂ ہستی سے مٹ گیا اور ۱۲۶۰ میں شام کے شہروں کو بھی اپنی درندگی کا شکار بنایا۔

مگر اسی ہلاکو کی اولاد جس کے مرے ہوئے پچاس برس بھی گذرنے نہیں پائے تھے کہ اسلام کی محافظ بن گئی اور اسلام کے راہ رو ہو گئی جو اسلام کی عظیم فتح تھی۔ فلپ کے حتی لکھتا ہے :۔

"ہلاکو نے سب سے پہلے "ایل خان" چھوٹا خان کا لقب اختیار کیا تھا۔ ۱۲۶۵ میں اس کا انتقال ہو گیا، اس کو مرے ہوئے پچاس برس بھی نہ ہوئے تھے کہ مغلوں کے ساتویں خان نے اسلام کو حکومت کا مذہب قرار دیا اور اسی طرح دین اسلام نے اپنی ایک اور انتہائی شاندار فتح حاصل کر لی، سلجوقیوں کی طرح تاتاریوں پر اسلامی لشکر غالب نہ آسکا لیکن دین اسلام نے ان کو زیر کر لیا اور ان پر پوری فتح پائی　　(عرب و اسلام)

اسلام نے ہر آزمائش میں اپنے آپ کو کندن ثابت کیا ہے اور دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت اور قوم کے سامنے صف آرا ہوا ہے مگر اس نے اپنے وجود کو ہر محاذ، ہر میدان اور ہر تہذیب اور ہر ثقافت اور ہر قوم میں ثابت کرتا رہا ہے اور اپنی حقانیت کو منواتا رہا ہے۔ اس نے اپنی حقانیت کو صلیبی افواج کے خلاف ثابت قدم رکھا اور عمادالدین، نورالدین اور صلاح الدین ایوبی جیسے قائد پیدا کئے جنہوں نے اسلام کی حفاظت کی اور مخالف طاقتوں کو زیر کیا اور بقول فلپ کے حتی کے کہ اس زمانے میں (بارہویں، تیرہویں صدی) مغرب بعید کے ایک محاذ پر اسلام ایک طوفان سے دوچار تھا، اس طوفان نے خود ہمارے تمدن کی تاریخ پر نہایت درخشاں نقوش ثبت کئے ہیں، اسی طوفان نے اسلام کے ایک بہت بڑے مجاہد اور اس کے علم بردار کا عروج دیکھا۔ یہ صلیبی لڑائیوں اور سلطان صلاح الدین اعظم کا زمانہ ہے (ص ۲۱۱)۔ آگے چل کر مصنف مذکور لکھتا ہے کہ :۔

ہارون اور بیبرس جیسے مشاہیر اسلام کی فہرست میں مسلمان اس (صلاح الدین) کا نام گنتے ہیں اور آج بھی صلیبی مجاہدوں کے مقابلے میں حامی اسلام مرد خدا کی حیثیت سے اس کا نام بہت مقبول ہے، اس کے عظیم الشان کردار نے نہ صرف قرون وسطیٰ کے انگریز شاعروں کے ساز تخیل کو چھیڑا بلکہ ہمارے زمانے کے ناول نگاروں کے تصورات کو اپنے کردار سے مالا مال کیا ہے۔ آج بھی اس کو نظام سپہ گری کا ایک مکمل کردار سمجھا جاتا ہے　　(عرب اور اسلام ص ۲۲۲)

اسلام کی پاسداری مملوکوں نے کی اور تاتاریوں کے غیر مفتوح عظیم لشکر کو شکست دی، اسی طرح عثمانی ترکوں نے اسلام کی حفاظت صدیوں کی اور اپنی ماہرانہ جنگی صلاحیتوں سے مشرقی یورپ کو روند ڈالا۔ حتیٰ لکھتا ہے:۔

قسطنطنیہ کا ترکی سلطان رفتہ رفتہ مسلمانوں کا سب سے زیادہ طاقتور حکمران بن گیا وہ نہ صرف بغداد کی میراث خلافت پر قابض ہوگیا بلکہ بازنطینہ کی میراث شہنشاہیت بھی اس کے قبضے میں آگئی تھی۔ مملوکوں کی سلطنت کی تباہی اور باسفورس کے کنارے ترکی سلطنت کے قیام کی وجہ سے اسلامی اقتدار کا محور مغرب میں منتقل ہوگیا (ص ۲۹۱۳)

مگر اب اسلام کی کرنوں کا مرکز ترقی یافتہ ممالک اور تہذیبی اور علمی طور سے خود کفیل ممالک ہیں اور اسلام نے ان کے قدیم اور روایتی معاشرہ میں جگہ بنالی ہے جو کسی زمانہ میں اسلام دشمن تسلیم کئے جاتے تھے اور ان ممالک میں مسلمانوں کی تعداد میں بھی برابر اضافہ ہو رہا ہے اور آئے دن حلقہ بگوش اسلام ہونے والوں کے متعلق تاثرات آتے رہتے ہیں کہ وہ اسلام کی کن خوبیوں سے متاثر ہو کر اسلام لائے اور اسلام کو اور خاص طور سے مسلمانوں کو طاقت و توانائی حاصل ہو رہی ہے بلکہ ان کے ذریعہ سرپرستی اور پاسداری مل رہی ہے اور ان ممالک میں جو اسلامی مراکز ہیں وہ اسلام کو تحفظ فراہم کر رہے ہیں جس سے اسلام کو یورپ کے معاشرہ میں اپنی انفرادیت و تشخص کے ساتھ دوسروں کو روشناس کرانے کا موقع مل رہا ہے۔

مذکورہ ممالک میں اسلام قبول کرنے والے انفرادی بھی ہیں اور اجتماعی بھی، وہ پڑھے لکھے بھی ہیں اور دانشور بھی ہیں اور اہم عہدوں کے مالک ہیں، اسلام کی طرف یہ رجوع صرف ایک ملک میں نہیں ہے بلکہ فرانس، جرمنی، انگلینڈ، افریقہ کے ممالک اور امریکہ کے ممالک سب جگہ ہے۔ تازہ مثال یوگنڈا کے صدر کے بھائی جو فوج کے سربراہ تھے، کا قبول اسلام ہے، ان کا اسلامی نام سلیم صالح رکھا گیا ہے۔ اسی طرح مشہور افریقی فٹ بالر کوارشی کا معہ اپنی بیوی کا قبول اسلام ہے جس نے گابون کے دارالسلطنت لیور پول میں ایک تقریب میں اپنے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا۔ کوارشی کا نام محمد رکھا گیا ہے۔ پوچھنے پر ان دونوں نے بتایا کہ وہ اسلام کے دائرہ میں تین سال قبل داخل ہو چکے تھے اور پابندی سے نماز اور رمضان کے روزے رکھتے تھے۔

(ارض الاسراء، رمضان ۲۰۰۷ء)

اسی طرح امریکہ میں مسلمانوں کے متعلق ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ امریکہ میں مسلمانوں کی تعداد چھ ملین ہے اور اسلام کی اشاعت بہت تیزی سے ہو رہی ہے۔ امریکہ سے عیسائی رسالہ "حقیقت" کے مطابق پوری دنیا میں اسلام کے پھیلنے کا تناسب دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں بہت ارفع ہے، ۱۹۳۴ء

سے ۱۹۸۴ء کے درمیان اسلام کی اشاعت رسالہ مذکورہ کے مطابق ۲۳۵٪ ہے جب کہ یہودیت کی اشاعت منفی ۴٪ اور عیسائیوں کی تعداد میں اضافہ کا تناسب ۴۷٪ ہے۔ اس وقت اسلام امریکہ میں عددی طور پر عیسائیت کے بعد دوسرے نمبر پر ہے اور یہودیت تیسرے نمبر پر ہے، اسی طرح سوئٹزرلینڈ کی سرکاری رپورٹ کے مطابق مسلمانوں کی تعداد اس صدی کے چھٹے عشرے میں ۳ ہزار تھی وہ اب ایک لاکھ ہو گئی ہے اور فرانس برطانیہ، مغربی جرمنی میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد تو ایک حقیقت ہے۔

الغرض اسلام کی آبیاری کا عمل مسلسل جاری ہے، حجاز مقدس کے بعد چاہے وہ دمشق کے چمن زار ہوں یا اندلس کے مرغزار ہوں، یا بغداد، قاہرہ، دلی، استنبول اور ترکستان کے سبزہ زار ہوں اسلام ایک قوم کے بعد دوسری قوم کی پاسبانی میں برگ و بار لا رہا ہے اور اپنا دائرہ وسیع کرتا جا رہا ہے اور اسلام کا یہی اعجاز اسلام دشمن طاقتوں کو حیران و پریشان کئے ہوئے ہے اور اسی خوف سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں کا ایک جال بچھا دیا گیا ہے جب کہ قرآن مجید نے واضح الفاظ میں اعلان کر دیا ہے کہ چراغ مصطفوی پھونکوں سے نہیں بجھایا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا اور عام کرے گا،

یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون (الصف - ۸)

اپنے منہ کی پھونکوں سے اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ کا فیصلہ ہے کہ وہ اپنے نور کو پھیلا کر رہیگا۔ خواہ کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔

اور مسلمانوں کے خلاف جو طرح طرح کی ریشہ دوانیاں ہو رہی ہیں، ان کے متعلق قرآن مجید کہتا ہے :- وان اللہ موھن کید الکافرون (الانفال - ۱۸) اور کافروں کے ساتھ معاملہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی چالوں کو کمزور کرنے والا ہے۔ اسلام کی مضبوطی اور استحکام نیز اس کے برگ و بار لانے کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے :-

الم تر کیف ضرب اللہ مثلا کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت وفرعھا فی السماء تؤتی اکلھا کل حین باذن ربھا ویضرب اللہ الامثال للناس لعلھم یتذکرون (ابراھیم ۲۴-۲۵)

کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کو کس چیز سے مثال دی ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اچھی ذات کا درخت جس کی جڑ زمین میں گہری جمی ہوئی ہے اور شاخیں آسمان تک پہونچی ہوئی ہیں ہر آن وہ اپنے رب کے حکم سے اپنے پھل دے رہا ہے یہ مثالیں اللہ اس لئے دیتا ہے کہ لوگ ان سے سبق لیں۔

یہ اسلام کا اعجاز ہے کہ وہ ان ملکوں میں اپنی پوری توانائی اور آب و تاب کے ساتھ موجود

ہے جو کسی زمانہ میں اسلام کے دشمن تھے اور اسلام کو مٹانے کے درپے تھے اور مراکز اسلام پر ان کے حملے ہو رہے تھے مگر اب اسلام کی حقانیت اور اس کے ابدی پیغام کا اعجاز ہے کہ وہ دیار مغرب میں مادہ پرستوں کے ذہنوں کو مسخر کر دیا ہے اور انہیں سکون و اطمینان اور ہدایت و نور کی طرف لے جا رہا ہے اور ان کو اپنی آغوش میں سکون و طمانیت فراہم کر رہا ہے اور ان سے اسلام کی تبلیغ کا کام لے رہا ہے اور اللہ اکبر کی صدائیں مشرق سے لے کر مغرب کے در و بام سے بلند ہو رہی ہیں اور یہ امر بعید از قیاس نہیں ہے کہ اسلام کو یورپ میں اسی طرح سرپرستی و پاسداری حاصل ہو جائے جو کسی زمانہ میں مشرق وسطیٰ بعید، وسط ایشیا اور جنوب ایشیا میں حاصل تھی۔

پارہ ۲۲ سورۃ الاحزاب رکوع ۵ آیت ۴۵، ۴۶

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) بیشک آپکو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے
کہ آپ گواہ ہوں گے اور آپ (مومنین کے) بشارت دینے والے ہیں اور (کفار کے)
ڈرانے والے ہیں اور (سب کو) اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں۔ اور
آپ ایک روشن چراغ ہیں۔

O Prophet ! truly We have sent thee
as a Witness, a Bearer of glad
tidings, and a Warner, and as
one who invites to Allah's (Grace)
by his leave. And A Lamp Spreading Light

Karachi Port Trust

The Port of Pakistan

۶ مئی ۱۹۸۶ء سے پی آئی اے نے بیجنگ کیلئے اپنی پُرتیسری پرواز دوبارہ شروع کردی ہے۔ قراقرم کی بلند و بالا، خوبصورت اور پُرشکوہ چوٹیوں پر سے گزرتی ہوئی تین آرام دہ پروازیں... ایک عظیم منزل کی طرف رواں دواں!

اتوار	جمعرات	منگل	دن
۶۵۲	۶۵۰	۶۵۴	فلائٹ نمبر
بی ۷۰۷			جہاز
ایف/وائی			درجہ
۰۳:۰۰	۰۶:۰۰	۰۵:۲۰	کراچی روانگی
۰۵:۵۵		۰۶:۱۵	اسلام آباد آمد
۰۶:۰۰		۰۷:۲۰	اسلام آباد روانگی
۱۴:۳۰	۱۶:۵۰	۱۴:۵۰	بیجنگ آمد

۶ مئی ۱۹۸۶ء سے نافذ العمل — تمام اوقات مقامی ہیں۔

مزید معلومات کیلئے قریبی پی آئی اے بکنگ آفس یا اپنے ٹریول ایجنٹ سے رابطہ قائم کیجئے۔

مولانا مفتی غلام الرحمٰن فاضل و مدرس دارالعلوم حقانیہ

آخری قسط

حقانیہ سے ازھر تک

ایک زائر جب کسی ملک میں اجنبی بن کر قدم رکھتا ہے تو وہاں کے مذہب و عقیدہ، اخلاق و عادات، اشیاء خورد و نوش، زبان اور ملکی سیاست اور وہاں کی عام معاشرتی زندگی اور تہذیبی اطوار سے اس کو واسطہ پڑتا ہے۔ کیونکہ ان اشیاء سے زائر کا بالذات تعلق رہتا ہے۔ سفرناموں میں تاریخی مواد کا تذکرہ اہم چیز ہے لیکن تاثرات و مشاہدات کے ضمن میں ان امور کا تذکرہ بھی ضروری سمجھا جاتا ہے۔ "حقانیہ سے ازہر کی" اس آخری قسط میں ان امور کا ایک اجمالی خاکہ پیش خدمت ہے۔ جو مصریوں کی ثقافت و تہذیب اور حالات سمجھنے میں شاید معاون ثابت ہو۔

<u>مذہب و عقیدہ</u>: فتح اسلام سے قبل مصر میں اکثریت عیسائیوں کی تھی۔ فتح ہونے کے بعد جب حضرات صحابہ کرام کثیر تعداد میں مصر میں منتقل آباد ہوئے تو صحابہؓ کے اخلاق و عادات اور تعلیم کی برکت سے اکثر لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے قلیل تعداد میں عیسائی بھی رہ گئے۔ آج بھی مسلمانوں کی اکثریت ہے اور ایک مسلمان ملک سمجھا جاتا ہے۔

مصر میں امام شافعیؒ کی موجودگی کی وجہ سے ان لوگوں پہ امام شافعی کا اثر زیادہ رہا۔ مالکی بھی کافی ملتے ہیں۔ البتہ احناف بہت کم ہیں۔ بقول بعض علماء کرام شافعی اور مالکی ہونے کی وجہ سے یہاں کے تمام جانور کچھوے گوہ وغیرہ کھائے جاتے ہیں۔ قدیم دور میں دیگر مذاہب کی موجودگی کے آثار بھی پائے جاتے تھے۔

لیکن اس وقت ہر ایک مذہب والے مذہبی شخص کو بحال رکھتے تھے۔ موجودہ دور میں یہ فیصلہ کرنا ممکن نہیں کہ مصر میں کونسا مذہب زیادہ مروج ہے۔ وسعت نظری اور جدت پسندی کی وجہ سے کسی ایک مذہب سے مستقل تعلق قائم رکھنا اور اس مذہب کو اپنانا مصریوں پر بڑا شاق ہے۔ جامعہ ازہر کے ایک کہنہ مشق اور معمر اور بہترین فاضل شیخ عبدالحلیم شاہین سے ایک ملاقات کے دوران میں نے پوچھا کہ آپ کے ہاں کونسا مذہب زیادہ رائج ہے۔ فاضل موصوف نے بڑے فخر سے فرمایا کہ ہمارے ہاں کسی ایک مذہب کی پابندی ضروری نہیں۔ مذاہب اربعہ میں جو بات بھی

آسان ہو۔ ہم اس پر فتویٰ دیتے ہیں۔ ہم فتویٰ دیتے وقت آسانی کو مدنظر رکھتے ہیں تنگی نہیں۔ اگرچہ لوگ اس کو آسانی سمجھتے ہیں لیکن درحقیقت دین کا اہتمام نہ رکھنے کا یہ نتیجہ ہے۔ اس فکری وسعت[1] کے پیش نظر یہ لوگ نماز پڑھاتے وقت کسی خاص شرط کے پابند نہیں۔ کسی کو امام کے مذہب و عقیدہ سے کوئی سروکار نہیں۔ اور نہ اس کے لباس کو دیکھتے ہیں۔ اقتدا کرتے وقت کوئی بھی امام کے وضع و قطع سے متاثر نہیں ہوتا۔ جو بھی ہے اس کو آگے کرکے اقتدا کرتے ہیں۔ خواہ امام کوٹ پتلون میں ملبوس ہو کہ سر سے ننگا ہی کیوں نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں پر نہ عمامہ کی اہمیت اور وقعت ہے اور نہ یہ لوگ داڑھی کا خیال کرتے ہیں۔ اکثر خطبا جمعہ کے خطبہ کے لئے حاضر ہوتے وقت تازہ شیو کرکے آتے ہیں۔ بلکہ داڑھی رکھنا ان کے ہاں سنت نہیں بلکہ فرسودہ رسم کے مترادف ہے۔

رمضان المبارک میں شیخ الازہر کی طرف سے ایک افطار پارٹی میں عشاء کے بعد ایک علمی مجلس کے انعقاد کا پروگرام تھا۔ ہر ایک کو سوالات پوچھنے کا موقعہ میسر تھا۔ ہمارے پاکستانیوں کی طرف سے دیگر سوالات کے علاوہ ایک سوال یہ بھی تھا کہ احادیث کی رو سے داڑھی رکھنے کا کیا حکم ہے؟

ہر ایک سوال کے جواب کے لئے متعلقہ ماہر استاد کو جواب کے لئے بلایا جاتا تھا۔ داڑھی کے حکم بیان کرنے کے لئے ایک معمر اور سینیر استاد کو بلایا گیا۔ بظاہر وہ استاد بھی قینچی شدہ داڑھی پر نازاں تھا۔ ہم تمام ساتھی اسے دیکھ کر خوش ہوئے اور سمجھے کہ شاید قینچی شدہ داڑھی کی وجہ سے کچھ موزوں جواب دے سکے۔ کہ عملاً کسی حد تک وہ بھی داڑھی کے معترف ہیں۔ بدقسمتی سے اس کے جواب سننے کے بعد اس نے ہماری توقعات کو خاک میں ملا دیا۔

وہ بھی اور گمرہ کوٹ پتلون میں ملبوس داڑھی منڈے اساتذہ کو دیکھ کر متاثر ہوئے اور اس اہم سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا۔ کہ داڑھی کا مسئلہ کچھ اہم مسئلہ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت کی ضرورت جان کر داڑھی کا حکم فرمایا تھا جس سے بظاہر مشرکین کی مخالفت مقصود تھی۔ آج چونکہ وہ علت موجود نہیں

---

[1] جی چاہتا تھا کہ اس قدر مذہبی آزادی، فکری وسعت اور بے جا توقع کے نقصانات اور قومی و ملی مضرات پر تفصیل سے لکھوں مگر کاغذ کی تنگ دامنی اور عدیم الفرصتی کی وجہ سے اب تک موقعہ نہ مل سکا۔ حسن اتفاق سے فاضل محترم برادرم مولانا عبدالقیوم حقانی کی حالیہ تازہ شاہکار تصنیف "دفاع ابوحنیفہ" (شائع کردہ موتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور) کا ایک اہم باب نظر سے گذرا جس میں موصوف نے مشاورتی کونسل کے سابق چیرمین ڈاکٹر تنزیل الرحمن اور تنظیم اسلامی کے سربراہ جناب ڈاکٹر اسرار احمد کی بعض تحریروں کے جواب میں اس موضوع پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ حقانی صاحب کی یہ تحریر جامع اور وقت کی ضرورت اور موضوع کی اہمیت کے پیش نظر ہر لحاظ سے نافع ہے اور اس کے بعد کسی دوسری تحریر کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ قارئین سے ترغیباً اس کے مطالعہ و استفادہ کا مشورہ عرض ہے۔

لہٰذا آج داڑھی رکھنا کوئی ضروری نہیں۔ مستزاد یہ فرمایا جیساکہ ہمارے اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے کی اشیاء میں تغیر و تبدل عیب نہیں ایسا ہی داڑھی نہ رکھنا بھی کوئی عیب نہیں۔

اس استاد کے اس بیان کو سن کر افریقہ کے طلباء تو متاثر ہوئے لیکن ہمارے دلوں میں نفرت کے سوا اور کچھ اضافہ نہ ہوا۔ کیونکہ اس تقریر کو سن کر افریقہ کے ایک مسلم نوجوان ابوبکر جو ہمارے ساتھ شریک تھے اور خوبصورت داڑھی سے ان کا چہرہ منور تھا۔ دوسرے دن صبح جاکر داڑھی منڈا دی۔

علیٰ ہذا القیاس صرف داڑھی کے مسئلہ میں نہیں بلکہ جدت پسندی کی وجہ سے دیگر کئی مسائل میں متفرد ہیں تصویر کشی جو بلا ضرورت شریعت میں حرام ہے۔ مصریوں کے نزدیک ضرورت و عدم ضرورت کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ وقت کی ضرورت کی وجہ سے بغیر کسی شرط کے جائز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مساجد میں عین محراب کے اندر گروپ فوٹو ہم نے آویزاں دیکھے۔

تصویر کشی کی کلی اجازت دینے کے بعد مصر میں ٹی وی۔ وی سی آر اور سینما دیکھنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ ترقی کا ایک ذریعہ ہے۔ خود جامعہ ازہر جس پر مصریوں کو "کعبۃ العلم للمسلمین" ہونے کا فخر حاصل ہے یہاں "مدینۃ البعوث الاسلامیہ" کے ہاسٹلوں میں الگ الگ احاطوں کے اندر طلباء کے لئے رنگین ٹی وی دیکھنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ مذہبی شخصیات کا فلم بینی کے لئے جانا عیب نہیں۔

اعتقادی لحاظ سے بھی مزارات پر جاکر معلوم ہوتا ہے کہ عوام کی اکثریت شرک میں مبتلا ہے۔ کئی بدعات مذہب کے نام پر عوام و خواص میں رائج ہیں۔ اہم مساجد میں نماز جمعہ کے بعد "محفل ذکر" کے نام سے حلقوں کا اہتمام ہوتا ہے جس میں خاص اوراد پڑھتے پڑھتے مسجد میں تالیاں بجاکر محافل گرم کرتے ہیں۔ اور یہ عمل ثواب مانا جاتا ہے۔ رمضان المبارک میں غیر مسلموں کے بہانے اکثر ہوٹل کھلے رہتے ہیں۔ برسرعام کھانے میں کوئی شخص عار محسوس نہیں کرتا اور نہ تقدس رمضان کے لئے کوئی خاص قانون نافذ ہے۔

آزادی نسواں کے نام پر بے حیائی

مصر میں عورتوں کو حد درجہ کی آزادی حاصل ہے۔ نام نہاد آزادی کے نام پر عریانیت، فحاشی اور مرد و زن کے اختلاط کا بازار گرم ہے۔ اگرچہ ابتداء میں ایسا نہیں تھا۔ لیکن بعض جدت پسند علماء کے مذموم مساعی کی وجہ سے آج پورا مصر ہلاکت کے دہانے پر کھڑا ہے جدت پسند نام نہاد علماء نے بے حیائی کو دین ثابت کرکے عوام کو گمراہ کیا جس کی واضح مثال آزادی نسواں کے مشہور نقیب، قاسم امین کی کتاب "تحریر المرأۃ" (عورت کی آزادی) اور "المرأۃ الجدیدہ" (خاتون جدید) ہے ان دونوں کتابوں کے متعلق مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن صاحب ندوی دامت برکاتہم ایک اجمالی جائزہ یوں پیش کرتے ہیں۔

پہلی کتاب میں مصنف نے دعویٰ کیا ہے۔ کہ بے پردگی کی دعوت میں دین سے کوئی مخالفت نہیں پائی جاتی۔ ان کا بیان ہے کہ شریعت اسلامی چند کلیات اور عمومی حدود کا نام ہے۔ اگر جزئیات احکام بیان کرنا اس کا وظیفہ ہوتا تو اس میں عالمگیر قانون بننے کی صلاحیت نہ رہتی۔ جو ہر زمانہ اور ہر قوم کے مناسب ہے۔ شریعت کے وہ احکام جو مروجہ عادات و معاملات پر مبنی ہیں ان میں حالات اور زمانے کے مطابق تغیر و تبدل کیا جا سکتا ہے۔ شریعت کا مطالبہ صرف اس قدر ہے کہ ہر تغیر و تبدل کوئی ایسا نہ ہو جس سے اس کی عام بنیادوں میں سے کوئی بنیاد متاثر و مجروح ہو (مسلم ممالک میں اسلامیات اور مغربیت کی کشمکش صہ ۱۴۴)

اگرچہ ان کتابوں کا جواب مصر کے چند دوسرے خدا ترس علماء فرید وجدی مرحوم جیسے حضرات نے "المرأة المسلمہ" کے نام سے کتاب لکھی ہے۔ لیکن مصریوں میں طبعی خواہش پرستی کی وجہ سے ان خدا ترس علماء کی یہ آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی۔ چنانچہ بازاروں۔ محافل، مجالس میں صنف نازک کا نیم برہنہ ہونا آج ایک فیشن ہے۔ بسوں، ٹیکسیوں میں نامحرم عورتوں سے کندھا ملا کر بیٹھنا کوئی عیب نہیں۔ بلکہ عین مروت ہے۔ اور اگر کوئی طبعی یا مذہبی کراہت محسوس کرے تو اس کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ یہ جراثیم آج پوری قوم میں سرایت کر گئے ہیں۔ اور لا علاج مرض کی صورت اختیار کر چکے ہیں۔ علماء بھی بے دینی کے اس عظیم سیلاب کے شکار ہیں۔ اگر کوئی اس کے خلاف آواز اٹھائے تو اس کی آواز کو دقیانوسیت سمجھ کر ٹھکرا دیا جاتا ہے۔

مصریوں کی مروت و اخلاق اکثر زائرین کو مصریوں کی کمینگی اور دھوکہ بازی سے شکایت رہی۔ مولانا شبلی نعمانی مصر سے واپسی پر لکھتے ہیں:۔

"آدمیوں کے اخلاق میں دنائت زیادہ پائی جاتی ہے"

منشی محمد عالم ایک تفصیلی جائزہ لینے کے بعد لکھتے ہیں:۔

"مصر میں جتنے قلیوں، مزدوروں، گائیڈوں اور گاڑی بانوں وغیرہ سے مجھے واسطہ پڑا ہے میں نے سب کو نہایت کمینہ۔ دغا باز بلکہ بدمعاش پایا ہے۔ مصر کے اصلی باشندے عموماً بہت ادنیٰ اخلاق کے مالک ہیں۔ اور پھر ان میں سے جو اجنبی سیاحوں اور مسافروں سے ملنے والے ہیں وہ دھوکہ دینے بلکہ ضد کرنے میں بڑے مشاق ہیں۔ ان کی غرض کسی نہ کسی حیلہ سے اپنی جیبیں پُر کرنے کی ہوتی ہے"

ان واقعات کی روشنی میں اگرچہ مصریوں کے اخلاق کی دنائت معلوم ہوتی ہے لیکن ہمارا واسطہ جن سے پڑا ہے ان میں اکثر حضرات ہم نے اصحاب مروت پائے ہیں۔ ناواقفیت اور اجنبیت کے باوجود ایک موقع پر نہیں بلکہ متعدد بار خوش اخلاقی سے پیش آئے۔ اور مصریوں کی ایک دوسری خوبی کا ذکر نہ کرنا یقیناً ناانصافی ہوگی۔ وہ یہ کہ جب بھی کسی مصری سے راستہ پوچھا جائے تو منزل مقصود تک پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔

عابق الشافعی میں لیث بن سعد کے مزار کی تلاش کرنے میں ایک ایسا رہبر ملا جس نے صرف میری راہ نمائی کے لئے اپنے چار پانچ گھنٹے صرف کئے۔ البتہ ایئرپورٹ، ریلوے سٹیشنوں پر جن مزدوروں سے واسطہ پڑا ہے یا کرایہ کی جن گاڑیوں میں سفر کرنے کا موقعہ ملا ہے۔ ان میں اکثر مہمانوں کی جیب ہلکی کرنے کی خدمت کرنے کا موقعہ ڈھونڈتے ہیں۔ کوشش کرتے ہیں کہ کسی نہ کسی طریقے سے مہمانوں سے رقم بٹوریں۔

رشوت خوری کی لعنت | دیگر ممالک کی طرح مصر میں بھی رشوت کی لعنت موجود ہے۔ ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک کوئی افسر "ای حدیۃ" کے مخصوص کلمات سے مانگتے ہیں کوئی شرم محسوس نہیں کرتے۔ البتہ یہ فرق ضرور ہے کہ معمولی سی رقم پر بھی راضی ہو جاتے ہیں۔ پچیس قرش (¼ جنیہ) بھی اگر کسی کی خدمت میں پیش کئے جائیں تو بصد شکریہ قبول کر لیتے ہیں۔ مصر سے واپسی پر ایئرپورٹ پر جو شخص سامان وزن کرنے پر متعین تھا وہ مسافروں سے ایک پونڈ لے کر زائد وزن کو کم وزن ظاہر کرتا۔ میں نے قصداً اور عمداً اس شخص کو پونڈ دینا گوارا نہ کیا جس کا بدلہ اس نے موقعہ پر ہی مجھے دے دیا اور کم وزن کو زیادہ وزن ظاہر کر کے باوجود رعایت کے مجھے چھ سات سو روپے پاکستانی نقصان اٹھانا پڑا۔

رشوت کی لعنت کی وجہ سے لوگوں میں سستی، تساہل اور کام نہ کرنے کی عادت ہے ایک دفتر میں سینکڑوں کی تعداد میں کارندے بغیر کسی لالچ کے کام کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ اس کے علاوہ مصر کے مزارات پر مجاوروں کے مانگنے کا طریقہ بھی عجیب ہے۔ کسی بزرگ کی قبر کے ارد گرد متعدد مجاور لگے ہیں کہ رات دن بیٹھے رہتے ہیں۔ زائرین سے چمٹ کر مانگنا ایک عادت ہے خاص کر غیر ملکی لباس میں کسی کو دیکھ کر بغیر وصولی کے نہیں چھوڑتے۔ بدقسمتی سے یہ بیماری ہمارے ہاں پاکستان میں بھی موجود ہے۔

مالی حالت | ان تمام امراض کا بنیادی سبب مصر کی غربت ہے۔ اگرچہ مصر میں تیل وافر مقدار میں موجود ہے لیکن اوپیک ممالک کے رکن نہ ہونے کی وجہ سے تیل سے ان کو ملکی سطح پر استفادہ نہیں ملتا۔ ملک میں غریب طبقہ زیادہ ہے۔ دو تین کی مشترکہ آمدنی سے ایک گھرانے کا صرف گذر ہوتا ہے۔ خطباء اور ائمہ کی عام تنخواہیں ۸۰ سے لے کر ۹۰ پونڈ تک ہے۔ دن بھر مزدوری کرنے والے کو ایک پونڈ مزدوری ملتی ہے لیکن گرانی کے باوجود اشیائے خورد و نوش نہایت ارزاں ہیں۔ دن بھر کھانے پینے کا خرچہ ایک پونڈ سے لے کر ۱½ پونڈ تک ہے۔ البتہ گوشت یا دوسری مرغن غذائیں مہنگی ہیں۔ آمدنی کا اکثر حصہ عورتوں کی میک اپ پر خرچ ہو جاتا ہے۔ ایک اخباری اطلاع کے مطابق بعض عورتوں کی تمام آمدنی زیب و زینت پر خرچ ہو جاتی ہے اور گھر کا گذارہ خاوند کی آمدنی پر ہوتا ہے

مصری سکہ | مصر میں رائج کرنسی کو "جنیہ" کہتے ہیں جیم کو ابتدائی کلمہ میں "گ" سے تبدیل کرنے کے باعث "گنیہ" کہتے ہیں۔ ایک "جنیہ" میں ایک سو "قرش" اور ایک قرش میں دس ملیم ہوتے ہیں۔ جدت کی وجہ سے جنیہ کو پونڈ بھی کہتے ہیں۔ اور ربع جنیہ پچیس قرش کو ریال کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ سرکاری بنکوں میں

مسافروں کے لئے ڈالر تبدیل کرنے میں کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ بنک میں ڈالر کی قیمت متفاوت ہے۔ بعض بنک ایک سو ڈالر کے پچاس جنیہ دیتے ہیں جب کہ اکثر بنکوں میں سو ڈالر کی قیمت ۱۳۵ جنیہ ہے۔ لیکن کالے بازار میں ایک سو ڈالر کے ۲۰۰ جنیہ ملتے ہیں۔ اس عظیم تفاوت کی وجہ سے کرنسی کی تبدیلی میں مسافروں کو قدم قدم پہ مشکلات پیش آتی ہیں۔ حکومت کے اعلانات اور دھمکیوں کے باوجود اکثر تبادلہ کالے بازار میں ہوتا ہے۔ البتہ سرکاری کاموں اور ٹکٹ وغیرہ لینے کے لئے بنک کے تبادلہ کے بغیر کوئی دوسری صورت ممکن نہیں۔ مصر میں اکثر ڈالر کا ہی چکر رہتا ہے۔

مصری لباس | شہروں میں اکثر مردوں اور عورتوں کا لباس یورپین لباس ہے۔ مردیوں میں کوٹ پتلون اور گرمیوں میں بوشرٹ پہنتے ہیں۔ مغرب زدہ عورتوں کا لباس نیم برہنہ ہے۔ گھٹنوں سے نیچے پنڈلیاں اور بازو کھلے رکھتی ہیں۔ اس لباس میں ملبوس ہوکر سر ڈھانپنا عیب ہے۔ انگریزی بال بناکر ننگے سر پھرنا یا دراز زلفیں بناکر لٹکانا ترقی ہے۔

شہروں میں بعض عورتیں رسمی پردہ بھی کرتی ہیں لیکن اس پردہ کی حقیقت یہ ہے کہ ایک لمبی قمیض جو گلے سے لے کر ٹخنوں تک ہوتی ہے پہنتی ہیں۔ اور سر پر ایک کپڑا باندھ لیتی ہیں۔ دوپٹہ لینے کی رسم نہیں ہے اس رسمی پردہ میں چہرہ ڈھانپنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ البتہ جو عورتیں شرعی پردہ کی پابند ہیں وہ عورتیں بہت اہتمام سے پردہ کرتی ہیں۔ کالے برقعے پہن کر ہتھیلیوں تک بھی ظاہر نہیں کرتیں بلکہ ہاتھوں پر دستانے پہنتی ہیں۔ لیکن ان عورتوں کی تعداد دو فیصد بھی نہیں۔ جو عموماً تبلیغی جماعت کے گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں۔

دیہاتوں میں قدیم لباس مروج ہے جس میں مرد سر پہ سرخ تربوش کے گرد سفید لفہ۔ نیچے اوپر لمبا اور ڈھیلا کرتہ نما عبا بغیر کالر کے پہنتے ہیں عوام آستینوں کو کھلا رکھتے ہیں جب کہ خواص آستینیں بند رکھتے ہیں۔ شہروں میں عموماً یہ لباس علماء خاص اوقات میں پہنتے ہیں اور دیہاتی عورتیں سر کے بالوں کو ڈھانپ کر لمبے کرتے پہنتی ہیں دوپٹہ بھی استعمال کرتی ہیں۔ چہرے کو ڈھانپنے کے لئے ایک مخصوص قسم کا کپڑا استعمال کرتی ہیں۔ دیہاتوں میں بہ نسبت شہروں کے مروت اور پردہ زیادہ ہے۔ لیکن شہروں میں عریانیت یورپ سے بھی زیادہ ہے مردوں کا لباس یعنی کوٹ پتلون عورتوں کے لباس سے زیادہ استر ہے۔

شیریں زبانی | مصر میں عربی کے علاوہ دوسری زبانیں کم بولی جاتی ہیں۔ انگلش اور فرانسیسی بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ البتہ انگریزی اور فرانسیسی کے اثرات لغت عربی پہ قائم ہیں۔ عربی بولتے وقت انگریزی الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ لغت عامیہ اس وجہ سے مشکل ہے کہ اس میں غیر عربی الفاظ ملتے ہیں۔ سکولوں اور کالجوں میں تمام تر توجہ لغت عربی پر دی جاتی ہے۔ صحافت کے میدان میں ڈاکٹر طٰہٰ حسین کے بعد جدت پائی جاتی ہے۔ مصر قدیم مدت سے

فنِ تحریر و کتابت میں اول رہا۔ لیکن جدید دور کی تحریر پرانی طرزِ تحریر سے کافی مختلف ہے کیونکہ اس میں مغربی اثرات زیادہ ہیں۔ لب و لہجہ کے اعتبار سے مصری بہت پیارے ہیں۔ ملتے ہی بات شروع کرنے سے مخاطب دل موہ لیتے ہیں کسی غیر ملکی سے ملاقات کے وقت تحسینی کلمات سے پتہ تاثر ملتا ہے کہ مدتوں کا تعارف قائم ہے۔

ملتے وقت "نورتم مصر، شرفتم مصر" اور رخصت کے وقت "مع السلامہ" خاص کلمات ہیں۔

اخبارات و رسائل | مصر کے "دار العلم" ہونے کے وجہ سے یہاں اخبارات اور رسائل آسانی سے اور ارزاں نرخ پر ملتے ہیں۔ روزمرہ کے اخبارات میں سے "الاہرام"، "الاخبار"، "الجمہوریہ" اہم اخبارات ہیں۔ ابتداء میں سولہ سے لے کر بیس صفحات پر مشتمل اخبار کی قیمت پانچ قرش (پاکستانی آٹھ آنے) تھی۔ رمضان المبارک میں قیمت دگنی ہوگئی یعنی دس قرش۔ خصوصی ایڈیشنوں میں معلومات افزا مقالات شائع ہوتے ہیں۔ مذہبی اور دینی کتابیں ارزاں ہیں۔ لیکن ہوائی جہاز کے علاوہ کوئی دوسرا ذریعہ کتابوں کے لانے کا نہیں۔ ہماری کتابیں مصری سفارت کی وساطت سے پاکستان بھیجی گئی تھیں اس لئے سہولت رہی۔

طریقہ تعلیم | مصر میں جدت کی طرف زیادہ رجحان ہے۔ مصری ہر چیز میں جدت پسند کرتے ہیں۔ طریقہ تعلیم میں بھی جدت نمایاں ہے۔ قدیم طرزِ تعلیم کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔ جدید طرزِ تعلیم کے مطابق استاد جب لیکچر دینے آتا ہے تو کتاب لاکر سامنے رکھنا اور دوران تدریس اس کتاب سے استفادہ کرنا اچھی بات نہیں ہے بلکہ استاد زبانی لیکچر دیتا ہے۔ اگر حافظہ کمزور ہو تو کاغذوں کے پرزوں پر اہم نکات لکھ کر دوران لیکچر اس سے استفادہ کرتا ہے۔ اگرچہ اس طرزِ تعلیم میں استاد کی وسعت اور فصاحت ظاہر ہو جاتی ہے لیکن طلبہ اس سے مکمل استفادہ نہیں کر سکتے۔ تاہم جو طالب علم لکھنے میں ماہر ہو تو وہ استاد کی ملفوظات لکھ کر دوران امتحان اس کو آسانی رہتی ہے۔ کیونکہ اساتذہ امتحان میں اپنی تقریر کو خاص اہمیت دیتے ہیں۔ استاد کی تقریر چھوڑ کر اگر مضمون کتنا ہی پیارا کیوں نہ ہو۔ پھر بھی وہ اکثر کامیابی سے محروم رہتا ہے۔ اور نتیجہ امتحان نہایت سخت رہتا ہے۔ وسطانی درجات کا نتیجہ اکثر ۲۰ صد سے لے کر ۲۵ فیصد تک رہتا ہے۔

مصری سیاست | اگرچہ برسرِ اقتدار طبقہ جمہوریت کا دعوے دار ہے لیکن دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر میں سیاست کی گاڑی صرف ایک طرف چلتی ہے۔ دوران قیام ہم نے کسی کے قلم سے حکومت پر تنقید نہیں دیکھی۔ اور نہ کوئی اس طرح کر سکتا ہے تاہم اخوان المسلمون جو ایک مذہبی اور دینی درد رکھنے والی جماعت ہے ان کی تحریک خفیہ چلتی ہے۔

کرنل ناصر کے دور سے لے کر آج تک یہ جماعت حکومت کے مظالم کے لئے تختۂ مشق بنی ہوئی ہے اگرچہ عوام میں اس جماعت کی جڑیں مضبوط ہیں لیکن حکومت کے خود ساختہ قوانین اور نظام زندگی کے سامنے حکومت

اس جماعت کو عظیم رکاوٹ سمجھتی ہے۔ پھر بھی سیاسی میدان میں دینی دعوت کے لئے "اخوان المسلمون" جانفشانی سے کام کر رہے ہیں۔

صدارتی انتخابات ہمارے پاکستان میں صدر ضیاء الحق کے صدارتی ریفرنڈم کی طرح عجائب وغرائب کا پلندہ ہوتا ہے جس میں مُردے بھی زندہ ہو کر ووٹ ڈالتے ہیں۔

اسلامی قانون کا وہی حشر ہے جو ہمارے ہاں ہے۔ شوق تو سب کا ہے کہ ملک میں اسلامی نظام نافذ ہو لیکن یہ شوق صرف زبانی دعووں تک محدود ہے۔ چند ماہ قبل صدر حسنی مبارک دوبارہ صدر منتخب ہوئے ہیں۔ مشہور سیاسی جماعتیں حزب العمل، حزب الوفد، حزب الاحرار، حزب التجمع، اور حزب الوطنی ہیں۔ "اقتدار حزب الوطنی" کو حاصل ہے۔

تبصرۂ کتب

"ادارہ"

سیرت احمد مجتبیٰ | مؤلف۔ جناب مصباح الدین شکیل۔ صفحات ۵۱۶

ناشر۔ پاکستان سیفٹ آئیل کمپنی۔ دائو دسنٹر، مولوی تمیز الدین خان روڈ کراچی

علم و تحقیق اور اشاعت و طباعت کے وسائل میں جس تیزی سے وسعت آرہی ہے۔ اسی نسبت سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہدایت کی کرنیں عالم انسانی کو منور کر رہی ہیں۔ سیرت احمد مجتبیٰ اسی سلسلۂ نور و ہدایت کی اشاعت کی ایک کڑی ہے۔ جسے جناب مصباح الدین صاحب شکیل سادہ و سلیس زبان و بیان میں مستند واقعات اور سیرت کے مختلف پہلوؤں کو ترتیب جدید کے ساتھ پیش کیا ہے۔ مختلف عنوانات، اہم مقامات کی تصاویر، نقشے، گوشوارے اور کتابیات و حوالہ جات سے کتاب کے استناد اور وقعت کو دوبالا کر دیا ہے۔

پاکستان سیفٹ آئیل نے ایک فنی اور تجارتی ادارہ ہونے کے باوجود شعبۂ تعلقات عامہ میں اسلامی تعلیمات اور تاریخی واقعات کی تحقیق کے لئے ایک مستقل گوشہ قائم کیا ہے۔ اور کمپنی کے ترجمان کے طور پر پی ایس او ریویو کے نام سے ایک مستقل خصوصی رسالہ بھی شائع کیا جاتا ہے۔ ۱۴۰۵ھ سے ان خصوصی شماروں کو ایک نیا رخ دیا گیا ہے۔ چنانچہ شکیل صاحب نے سیرت نبویؐ پر اپنے تحقیقی کام کا پہلا حصہ "ولادت سے غار حرا تک" خصوصی نمبر کے طور پر شائع کیا۔ اس سے اگلے سال "غار حرا سے ہجرت حبشہ تک" اور ۱۴۰۷ھ میں ہجرت حبشہ سے مسجد قبا تک" شائع کیا۔ انہی حصوں کو یکجا کر کے سیرت احمد مجتبیٰ (ظہور قدسی سے مسجد قبا تک) کو مستقل کتابی صورت میں شائع کر دیا گیا ہے۔

آئیل کمپنی کا سیرت نبوی کی اشاعت میں اس قدر توجہ و عنایت اور کثیر سرمایہ خرچ کرنا قابل تبریک ہے۔ خدا کرے کہ اس کا بقیہ حصہ بھی جلد از جلد معیاری طور پر شائع ہو اور اس کی خوبصورت اور معیاری اشاعت کی سعادت بھی کمپنی کو حاصل ہو۔

محبت فاتح عالم

عدنان خالد

یہ نظم نونہال عزیز عدنان خالد نے مشاعرۂ ہمدرد نونہال منعقدہ ۱۲ مارچ ۱۹۹۵ء میں ہزاروں بچوں اور بڑوں کی موجودگی میں پیش کی۔ مشاعرہ کا انتظام ہمدرد فاؤنڈیشن نے کیا۔ ہم اسے چیئرمین ہمدرد حکیم محمد سعید صاحب مدظلہٗ کی فرمائش پر شائع کر رہے ہیں ——— ادارہ

محبت کے نغمے سنائیں گے ہم
نئی ایک دنیا بسائیں گے ہم

محبت ہمیں اپنی ملت سے ہے
محبت وطن تیری جنت سے ہے

ترقی تیری اپنی خدمت سے ہے!
نئے پھول تجھ میں کھلائیں گے ہم

ہمیں اپنے ماں باپ سے پیار ہے
یہی اپنا دنیا میں کردار ہے!

وطن اپنا اک پاک گلزار ہے
اسے نور سے جگمگائیں گے ہم

محبت ہی فاتح زمانے میں ہے
عجب رنگ اس کے فسانے میں ہے

محبت ہی قومی ترانے میں ہے
یہی گیت سب کو سنائیں گے ہم

یہ عدنان خالد کا پیغام ہے
محبت ہی وہ جذبہ عام ہے

کہ ایمان ہے جس سے اسلام ہے
محبت کا پرچم اڑائیں گے ہم